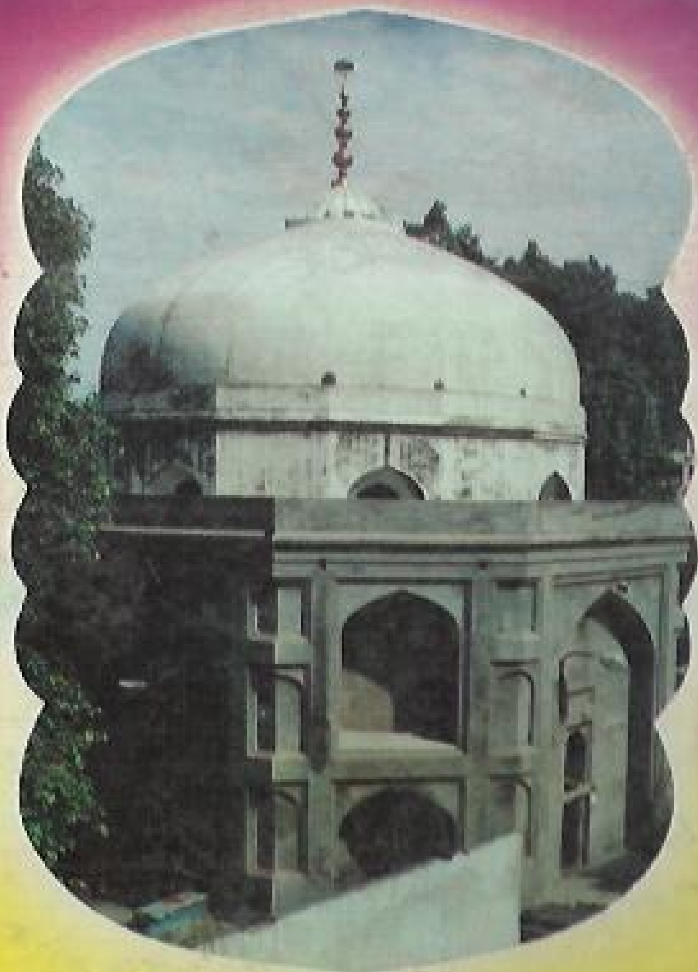
حضرت شاہ ابوالمعالی رحمۃ اللہ علیہ



ترتیب
سید ولایت علی شاہ

تذکرہ حضرت شاہ ابوالمعالیؒ قادری الکرمانی

ترتیب

سید ولایت علی شاہ

پبلشرز:
سید علی شہباز کرمانی، ۱۰۔ شاہ ابوالمعالی، لاہور

نام کتاب ——— تذکرۂ حضرت شاہ ابوالمعالی
مرتبہ ——— سید ولایت علی شاہ
ہدیہ ——— ۷۵/۰ روپے
مطبع ——— طیب اقبال پرنٹرز بی/۱۷ رائل پارک لاہور

انتساب

حضرت غوث الثقلین پیران پیر شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے نام، جن کی تربیت باطنی کے توسل سے حضرت سید محمدؒ ابراہیم داؤد بندگی شیر گڑھی اور حضرت خیرالدین شاہ ابوالمعالی کرمانی لاہوریؒ نے سلسلہ طریقت قادری کے ذریعے لاکھوں بندگان خدا کو فیض یاب کیا۔

سید ولایت علی شاہ

فہرست مضامین

التجا

یا الٰہی ذات پاک کبریاء کے واسطے
رحم کر حضرت محمدؐ مصطفیٰ کے واسطے

دین و دنیا کے غموں سے دل میرا آزاد کر
شاہ علیؓ مشکل کشا شیر خدا کے واسطے

اولیاء کے دشمنوں کے مکر و دھوکہ سے بچا
پیر محی الدین شاہ شاہ غوث انوریؒ کے واسطے

اے میرے مولانا طفیل حامد گنج بخشؒ
رحم کر تو بندگی داؤد شاہؒ کے واسطے

بخش میرے سب گنہ خاصوں میں شامل کر مجھے
شاہ ابوالمعالی لاہوریؒ شہنشاہ کے واسطے

بسمِ اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیم

پیش لفظ

خداوند قدوس سے مدد کا طلبگار ہوں کہ وہ مجھے ہمت دے اور جس کام کا ارادہ کیا ہے اسے پایۂ تکمیل تک پہنچا سکوں۔ لاکھوں کروڑوں درود و سلام حضور پر نور محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ سردار انبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات اقدس پر جن کے وسیلے سے میری مالک دو جہاں سے التجا ہے کہ مجھ جیسے گنہگار ناقص و کم علم بندے کو حضرت شاہ ابوالمعالیؒ کے حالات احسن طریقے سے لکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ کیونکہ جس طرح انہوں نے مجھ ناچیز پر اس فانی دنیا میں روحانی و باطنی فیض کئے ہیں چاہتا ہوں کہ زندگی کے حالات کا کوئی حصہ نامکمل یا ادھورا نہ رہے اور اولیاء کرام سے محبت رکھنے والے دوست پوری طرح سے آگاہ ہو جائیں۔

حضرت شاہ ابوالمعالیؒ کے بارے میں بہت سے حضرات نے لکھا ہے لیکن جو کچھ بھی لکھا گیا وہ سب کا سب فارسی زبان میں تھا۔ ویسے بھی وہ زمانہ مغلیہ بادشاہوں کا تھا۔ سرکاری زبان بھی فارسی تھی۔ زمانہ گزرتا گیا، حکومتیں بدلیں، انقلاب آئے، زبانوں میں تبدیلی آگئی۔ جب میں نے آنکھ کھولی تو اس وقت برصغیر پر انگریز کی حکومت تھی۔ سرکاری زبان لازمی پڑھنا ہوتا تھا لیکن عربی و فارسی لازمی نہ تھی۔ مجھے سائنس کے ساتھ ڈرائنگ جیسے مضامین پڑھنے کا مشورہ دیا گیا۔ اردو کو بھی بحیثیت مضمون نہ پڑھا۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ جب کچھ شعور پیدا ہوا اور اردو کی اہمیت واضح ہوئی تو ادیب عالم کا امتحان پاس کیا۔

صوبہ پنجاب کے شہر لاہور جس کو پنجاب کا دل کہا گیا ہے وہاں پیدا ہوا۔ پنجابی بولتا تھا اور پنجابی کہلاتا تھا۔ ایک مرتبہ گاؤں گیا ہوا تھا تو میرے ایک بزرگ نے ہیر وارث شاہ کے چند اشعار پڑھ کر سنانے کو کہا۔ وہاں مجھے پنجابی پڑھتے وقت کافی مشکل درپیش

آئی۔ میں نے محسوس کیا کہ میں صفر ہوں۔ تاہم وہ مرحلہ جیسے گزرا گزر گیا۔ لیکن یہ شدت سے احساس ہوا کہ پنجابی بالکل نہیں جانتا۔ اس لئے اینگلو پنجابی کالج ٹیمپل روڈ' نزد ریگل سینما' لاہور میں داخلہ لیا اور پنجابی فاضل کیا تو معلوم ہوا کہ پنجابی ادب میں بھی تصوّف کا بیش بہا خزانہ ہے۔ فارسی اور عربی بھی پڑھنے کی کوشش کی لیکن مصروفیات زمانہ آڑے آئیں لیکن آج تک کمی محسوس کرتا ہوں۔ فارسی اور عربی کو بھی ضرور پڑھنا چاہئے تھا کیونکہ یہ مسلمانوں کا عظیم سرمایہ ہیں جو کہ جواہر پاروں سے پُر ہیں۔ اس میں حکمت اور دانائی کی باتیں ہیں۔ پڑھنے والا وہ کچھ جان جاتا ہے جو نہیں جانتا ہوتا۔

اس سے پیشتر بھی بندہ کو حضرت شاہ ابوالمعالیؒ کے حالات معہ شجرہ عالیہ قادریہ تحریر کرنے کی سعادت حاصل ہوئی۔ یہ میری عمر کا ابتدائی زمانہ تھا جب میرے ماموں بزرگوار جناب سید حیدر شاہ صاحب جن کے پاکستان کے علاوہ بھارت میں بھی عقید تمندوں کی کافی تعداد تھی جو اکثر ان سے شجرہ معہ حالات زندگی حضرت شاہ ابوالمعالیؒ کا اصرار کرتے تھے' لہٰذا انہوں نے مجھے ۱۹۶۰ء میں اس کے لکھنے کا حکم دیا۔ ان کے خیال میں یہ تھا کہ میں بہت پڑھا لکھا ہوں لیکن مجھے اپنی ناپختگی اور علمی حیثیت کا بخوبی علم تھا یعنی آج سے چونتیس (۳۴) سال پہلے کی بات ہے۔ تاہم ان کی رہنمائی میں اس کام کو سرانجام دیا' جس کو پسند کیا گیا۔ وہ بالکل مختصر پاکٹ سائز کتابچہ کی صورت میں شائع ہوا۔ ان ہی دنوں میں تمام کاپیاں تقسیم ہوگئیں۔ اتفاق سے ایک کاپی میرے پاس باقی رہ گئی۔

فروری ۱۹۹۲ء میں میرا تبادلہ دفتر ڈی آئی جی پولیس لاہور رینج سے دفتر ڈی آئی جی پولیس گوجرانوالہ میں ہوگیا' جہاں کچھ لوگ تو مجھے پہلے ہی جانتے تھے تاہم کئی ہم خیال دوستوں میں اضافہ ہوا۔ یعنی وہ اولیاء اللہ سے محبت کرنے والے لوگ تھے۔ اکثر جب بیٹھتے تو بزرگان دین کا ذکر ہوتا' جس سے روح کو تازگی ملتی۔ ان کی محفل میں بیٹھ کر میں بہت خوشی محسوس کرتا لیکن جب ان کو یہ علم ہوا کہ میں حضرت شاہ ابوالمعالیؒ کی اولاد میں سے ہوں تو وہ مجھ سے پہلے سے زیادہ محبت کرنے لگے۔ مجھے ایسے لگتا کہ جیسے میں اپنے لوگوں میں رہتا ہوں۔ ان میں عبدالحکیم اعوان صاحب ایڈووکیٹ' صدیق لون صاحب

ایڈووکیٹ اور ثناء اللہ ملک وغیرہ وغیرہ جو سب کے سب قبلہ سید اعجاز علی شاہ صاحب سجادہ نشین حجرہ شاہ مقیم ضلع اوکاڑہ کے مریدان ہیں۔ جن کا بزرگان دین کے بارے میں خوب مطالعہ تھا۔ بعض اوقات ان سے کئی نئی باتیں سننے کا موقع ملتا تھا۔ ماشاء اللہ سب پڑھے لکھے حضرات تھے۔ ایک دن باتوں باتوں میں مجھے کہا کہ حضرت شاہ ابوالمعالیؒ کے بارے میں مختلف رسائل اور کتابوں میں پڑھا ہے لیکن ان کے حالات کسی ایک کتاب میں مکمل طور پر نہیں ملتے' لہذا انہوں نے تجویز کیا کہ کیوں نہ ہو' یہ کام میں کروں۔ مجھے یہ مشورہ بھی اچھا لگا۔ اس لئے ان کے حالات زندگی لکھنے کا ارادہ کرلیا۔

ان کے حالات زندگی فارسی زبان میں لکھی کتابوں میں ملتے ہیں لیکن دکھ اس بات کا تھا کہ میں فارسی نہیں جانتا تھا۔ اس لئے اردو ترجمہ شدہ کتابوں کا سہارا لیا حالانکہ میں یہ بات اچھی طرح سے جانتا ہوں کہ ترجمہ میں اصل رنگ پیدا نہیں ہوتا۔ کچھ کتابوں کا اردو میں ترجمہ کرواکر اللہ والے کی قومی دکان کشمیری بازار لاہور والوں نے شائع کیا ہے۔ کیونکہ یہ ادارہ کافی عرصے سے بہت سے بزرگان دین کے فارسی تذکروں کو اور دیگر تصنیفات کا سلیس اردو زبان میں ترجمہ کرانے میں پیش پیش رہا ہے۔ جناب خلیل احمد ملک صاحب پسر ملک چنن دین مالک دکان میرے ہم جماعت تھے۔ لہذا کافی مواد ان سے مل گیا۔ علاوہ ازیں جہاں جہاں سے جو کچھ ملا وہ اکٹھا کیا' جو باتیں اپنے بزرگوں بالخصوص اپنی والدہ صاحبہ سے جو کچھ سنا ان کو بھی مدنظر رکھا۔ اور جہاں مناسب خیال کیا ان کو بھی تحریر کیا ہے۔ آج کے دور میں ہر شخص پریشان ہے' سکون قلب نہیں' حالانکہ نئی نئی ایجادات ہونے کی وجہ سے آسائش و سہولتیں میسر ہیں۔ جدھر نظر ڈالیں آپ کو لوگ دولت کے انبار جمع کرنے میں مشغول و مصروف ملیں گے کیونکہ زندگی کو دولت کے بغیر نامکمل سمجھا جارہا ہے۔ اس لئے صبح و شام دولت کی جستجو ہے۔ ویسے بھی ہر انسان بنیادی طور پر یہ خیال کرتا ہے کہ اگر دولت ہے تو اپنی ظاہری نمود و نمائش سے لوگوں پر اپنا جاہ و جلال اور شان و شوکت ظاہر کرسکتا ہے' لہذا وہ زر و مال کے حصول کیلئے ایسے راستے تلاش کرتا ہے جو کہ بالکل غلط ہوتے ہیں۔ کچھ لوگ تو دولت کی تلاش میں ایسے گم ہوتے

ہیں کہ ساری عمر ضائع کر دیتے ہیں۔

سکون قلب ایک عظیم نعمت ہے لیکن کمیاب چیز ہے۔ بہت کم لوگ اس نعمت سے مالا مال ہیں اور اسکے حاصل کرنے کا راستہ صرف اولیائے کرام کے یہاں سے ملتا ہے۔ خدا کے ان برگزیدہ بندوں نے تجلی باری انسانیت کو دل کی صفائی کے ذریعے سکون قلب جیسی نعمت تک پہنچنے کیلئے نزدیک تر راستہ بتایا ہے۔ انہوں نے منفی جذبات پر قابو پانے اور مادی و زمان و مکان کی قید سے نکل کر روحانی آزاد فضاء میں سانس لینے کا درس دیا ہے۔ جس کا اصل مرکز حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی ہے۔ اس لئے اللہ کے نیک بندے بار بار لوگوں کی توجہ انسان کامل کی طرف دلاتے ہیں تاکہ وہ اپنی زندگی ان کے نقش قدم پر چلتے ہوئے احسن طریقے سے گزارے۔ در حقیقت حضور پر نور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد اولاد رسول نے عظیم قربانیاں پیش کر کے شجر اسلام کی جڑوں کو اپنا خون دے کر مضبوط کئے رکھا اور حالات زمانہ کا مقابلہ کیا اور اسلامی تعلیمات پھلتی پھولتی رہیں۔ ان کے بعد اولیاء کرام ہی تو تھے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ظاہری و باطنی علوم کے سرچشمہ تھے جنہوں نے اسلام کی حفاظت کی۔ اس بات کی تاریخ گواہ ہے کہ اولیاء کرام نے ہر دور میں اپنے اپنے رنگ میں اسلام کو لوگوں تک پہنچانے کیلئے ایک اہم کردار ادا کیا ہے۔ کسی کو بھی انکار نہیں ہو سکتا۔ انہوں نے ایک طرف تو کفر و باطل کے خلاف جہاد کیا اور دوسری طرف ظاہر پرست ملاؤں کی پیدا کردہ مشکلات کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ جہاں نام نہاد علماء، مذہبی اور سیاسی جماعتیں بنا کر ایک دوسرے کے خلاف نفرت کا بیج بو کر امت کا شیرازہ بکھیر رہے تھے وہاں اولیاء کرام خداداد فہم و تدبیر کے ساتھ مسلمان قوم میں یکجہتی پیدا کرنے میں مصروف تھے۔ برصغیر پاک و ہند میں اسلام پھیلانے کا سہرا اولیاء کرام کے سر ہے بلکہ میں تو یہ کہوں گا کہ ان ہی کی بدولت دنیا میں دین اسلام پھیلا ورنہ ظاہر پرست ملاؤں کے بس کا کام نہ تھا۔ ان اللہ والوں نے اسلام کے راستے پر سیدھی سادی زندگی گزارتے ہوئے انتہائی فطری انداز میں اسلام کی حقیقی روح سے عوام کو آگاہ کیا اور بھٹکنے سے بچالیا۔ اولیاء کرام بے لوث محبت اور پیار

سے لوگوں کو اپنی طرف کھینچ لیتے ہیں اور وہ ان کے قدموں میں بیٹھنا سعادت سمجھتے ہیں۔ اس کے برعکس وہ ایک ملاں کے قریب بھی نہیں جاتے۔ کیونکہ اس کا دل درد سے خالی ہوتا ہے' وہ بالکل نہیں جانتا ہوتا کہ بھٹکے ہوئے انسان کی کس طرح اصلاح کرنا ہے بلکہ ان کی الٹی سیدھی باتیں سن کر دور بھاگتا ہے لیکن ایک درویش اور خدا رسیدہ انسان کے پاس جب کوئی جاتا ہے تو وہ اس کو الٹے سیدھے مسائل میں نہیں الجھاتا' وہ اس کی اصلاح بھی کرتا ہے اور دوسرے لوگوں کیلئے درد اور ہمدردی پیدا کرتا ہے تاکہ وہ اچھا انسان بن کر دکھی دلوں کیلئے مرہم کا کام کرے۔ اولیاء اللہ وہ ہستیاں ہیں جن کے پاس چور بھی جائیں تو قطب بن جاتے ہیں' پتھر کو سونا بنا دیتے ہیں' ان کی تعلیم و صحبت ایک گناہگار کی تقدیر بدل کے رکھ دیتی ہے۔

جو لوگ اولیاء اللہ کے ارشادات پر عمل کرتے ہیں اور ان کے بتائے ہوئے راستہ پر چلتے ہیں وہ نجات پا لیتے ہیں' دنیا و آخرت سنوار لیتے ہیں۔ میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کے طفیل اور جن کو ذات الٰہی پسند فرماتی ہے ان کے صدقے میں نیک و صالح اعمال کرنے کی توفیق عطا فرمائے' دنیا اور آخرت میں بھی ان کی بدولت سرخرو فرمائے۔ آمین۔

محب الفقراء

[signature]

سید ولایت علی شاہ

اَلَا اِنَّ اَوْلِیَاءَ اللّٰہِ لَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ

اولیاء اللہ

ولایت کے معنی محبت کے بھی ہیں اور اللہ تعالٰی کی خالص محبت کا نام ہے جو وہ اپنے فضل و کرم سے اپنے بندے کو عطا کرتا ہے۔ ولایت اللہ کی خاص عنایت ہے جسے چاہے نواز دے۔ جاہل کو ولایت نہیں ملتی۔ علم اگرچہ ظاہری حاصل کیا ہو یا لدنی یعنی جو علم اللہ تعالٰی کی جانب سے بندے کے دل پر نازل ہوتا ہے اور جن کو ولایت دی جاتی ہے ان کو اولیاء (ولی کی جمع) کہتے ہیں۔ اولیاء اللہ ذات الٰہی کے سچے عاشق ہوتے ہیں۔ ذات الٰہی میں اس حد تک مستغرق ہو جاتے ہیں کہ اپنا سب کچھ اللہ کیلئے وقف کر دیتے ہیں اور اللہ ایک ولی میں حیران کن طاقتیں پیدا کر دیتا ہے جو ان کو زندہ رکھتی ہیں۔ قرآن مجید میں اللہ تعالٰی ارشاد فرماتا ہے کہ بے شک اولیاء اللہ نہیں مرتے۔

وہ ہر زمانہ میں لوگوں کی بھلائی و ہدایت کیلئے موجود رہتے ہیں۔ ہمیشہ سچائی اور نیکی پر قائم رہتے ہیں۔ اس لئے نیکی کو ہی پھیلاتے ہیں۔ لوگوں کیلئے باعث برکت اور سکون قلب کا باعث ہوتے ہیں۔ اللہ والے مخلوق خدا سے ہمیشہ شفقت سے پیش آتے ہیں۔ اپنی زبان کی لطافت و نرمی' حسن اخلاق سے لوگوں کے دلوں میں گھر کر لیتے ہیں۔ ان سے محبت کرنا ہی اپنی بہتری ہے' ان کی صحبت میں رہنا خداوند قدوس کے قرب کا سبب پیدا کرتا ہے کیونکہ وہ شریعت کے تابع ہوتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بتائے ہوئے راستہ چلنے کی ترغیب دیتے ہیں۔ اس پر چلنا ہی شریعت ہے' جس شخص کا کوئی فعل خلاف شریعت نہیں ہوتا ہے اس پر اللہ کریم کی طرف سے رحمتیں نازل ہوتی ہیں اور باطنی راستہ کھل جاتا ہے۔ جس سے بہت سی باتیں جو اس کے علم میں نہ بھی ہوں ان کا انکشاف ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالٰی کی طرف سے غیب کی باتوں اور اس کی قدرت کو سمجھنے لگتا ہے اور اس کی ہر بات' ہر کام' ہر رمز جاننا شروع کر دیتا ہے۔ اس وقت وہ حقیقی

معنوں میں اللہ کو پالیتا ہے اور کامل انسان بن جاتا ہے۔ ایسا شخص شیخ طریقت اور ولی کہلاتا ہے۔

مملکت پاکستان کی سرزمین میں خداوند کریم کے بے شمار اولیاء کرام اور نیک بندے آرام فرما رہے ہیں۔ آپ صوبہ پنجاب میں لاہور شہر کو ہی لے لیں کہ جہاں حضرت شاہ ابوالمعالی رحمتہ اللہ کا مزار شریف ہے وہاں اس کے اگردگرد تھوڑے تھوڑے فاصلے پر دیگر بزرگان دین کے مزارات ہیں مثلاً شمال کی جانب حضرت شاہ محمد غوثؒ' جنوب میں مزنگ کے علاقہ میں حضرت ابو اسحاق اور اچھرہ میں شاہ جمال' مشرق کی جانب حضرت میاں میر' میاں پاکدامن اور اس طرح مغرب کی طرف پرانی انارکلی میں حضرت موج دریا بھاٹی دروازہ میں حضرت داتا علی ہجویری کے مزارات ہیں۔ لاہور کے علاوہ پنجاب کے دوسرے شہروں میں بھی اللہ والوں کے مزارات ہیں۔ ملتان کو تو مرکزی حیثیت حاصل ہے' لاتعداد بزرگان دین اور صوفیا کرام وہاں آئے اور وہاں ہی مدفون ہوئے۔ اس لئے اسے پیری پور ملتان بھی کہتے ہیں۔ ان بزرگان دین اور اولیاء اللہ نے اسلام کیلئے بہت زیادہ خدمات سرانجام دی ہیں۔ ان کی کوششوں سے پاک و ہند میں اسلام کی شمع روشن ہوئی اور کفر کا اندھیرا دور ہوا۔ اللہ تعالٰی کے یہ نیک بندے اپنے مقصد کی تکمیل کے بعد اس دنیا فانی سے تشریف لے گئے۔ عرصہ طویل گزر جانے کے بعد بھی آج ان کے مزارات عقیدتمندوں کی توجہ کا مرکز بنے ہوئے ہیں۔ دور دور سے لوگوں کی ٹولیاں حاضری دینے اور عقیدت کے پھول نچھاور کرنے چلی آتی ہیں اور ان کے فیض و برکت سے اپنی جھولیاں بھر کر واپس لوٹتی ہیں۔

اسلام کیلئے اپنی زندگیاں وقف کرنے والوں' نامور بزرگوں میں سے حضرت شاہ ابو المعالیؒ کی ذات گرامی کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ کراچی سے پشاور تک' بھارت میں' دلی بدایون' ریاست بیکانیر' ناگور' گنگانگر' مشرقی پنجاب کے شہروں میں ان کے بے شمار عقیدتمند موجود ہیں۔ آج تقریباً چار سو سال گزر جانے کے باوجود حضرت شاہ ابوالمعالیؒ رحمتہ اللہ کی یاد ہمارے دلوں میں تروتازہ ہے اور ان کا سایہ ہمارے سروں پر ہے بلکہ میں

تو بعض اوقات یہ بھی کہہ دیتا ہوں کہ ان سے ہماری پہچان ہے۔ جب لوگ ہمیں ان کی اولاد ہونے کے رشتے کی بنیاد پر عزت دیتے ہیں تو دل میں عجیب سی کیفیت پیدا ہوتی ہے۔ کئی دفعہ تو ندامت سے سر کو جھکا لیتا ہوں کیونکہ کچھ اوصاف تو ان جیسے ہونے چاہئے۔ تاہم آج بھی ان کی رہنمائی پر بھروسہ ہے کیونکہ ان کی تعلیمات دین و دنیا کے معاملات میں رہبری اور صحیح راستہ دکھاتی ہیں۔ میری خواہش ہے کہ اولاد حضرت شاہ ابوالمعالی رحمہ اللہ میں سے کوئی تو ان جیسا پھر پیدا ہو جسے دیکھ کر معلوم ہو کہ واقعی وہ بزرگوں کی نسل میں سے ہے۔

شجرہ عالیہ

حضرت علیؓ

امام حسنؓ	امام حسینؓ
حسن مثنیٰؓ	امام زین العابدینؓ
عبداللہ محضؓ	امام محمد باقرؓ
موسیٰ الجونؓ	امام جعفر صادقؓ
عبداللہ ثانیؓ	امام موسیٰ کاظمؓ
موسیٰ ثانیؓ	امام علی رضاؓ
سید داؤدؓ	امام محمد تقیؓ
سید محمدؒ	موسیٰ مبرقعؒ
یحییٰ زاہدؒ	محمد اعرجؒ
ابی عبداللہؒ	ابو ابراہیم اسمٰعیلؒ
ابی صالح موسیٰؒ	سید داؤدؒ
شیخ میراں محی الدین ابو محمد عبدالقادر جیلانیؒ	سید ابو الاحمدؒ
عبدالرزاق جیلانیؒ	سید محمودؒ
ابی نصر صالحؒ	سید مسعودؒ
کچھ پشتوں کے بعد	سید شاہ محمد میرؒ
شیخ عبدالقادر ثانی	سید ابوالحیاتؒ

حامد گنج اوچی

سید ابو الواہب
↓
سید ابو المعالی
↓
سید عبد الباری
↓
سید ابو الفضل
↓
سید ابو الفیض
↓
ابو لمحاسن
↓
سید ابو المکارم
↓
سید ابو نعیم
↓
سید عبد الرشید
↓
سید عبد الحفیظ
↓
سید عبد الحمید
↓
سید تقی الدین احمد
↓
سید صفی الدین احمد
↓
سید فیض اللہ بانی
↓
سید محمد مبارک
↓
سید فتح اللہ

فاطمہ — سید رحمت اللہ — سید محمد ابراہیم المعروف داؤ بندگی — سید جلال الدین — خونہ بی بی

سید رحمت اللہ
↓
سید خیر الدین المعروف حضرت شاہ ابو المعالی

شاہ محمد درویش — سید شاہ عبد الستار — سید محمد باقر — سید محمد فاضل — سید محمد عارف — سید محمد صادق

حضرت شاہ ابو المعالی کے آباؤ اجداد کا عرب چھوڑنا

اکثر کتابوں کے مطالعہ سے یہ ثابت ہوا کہ حضرت شاہ ابو المعالی کے آباؤ اجداد متقی' پرہیز گار لوگ تھے۔ حصول علم' زہد و تقویٰ' عبادت و ریاضت ان کا شیوہ تھا۔ وہ سب کے سب متوکل' راضی برضائے الہی اور نفس کشی کے عادی تھے۔ قدرت کاملہ نے ولایت کے بیش بہا تحفہ سے نواز رکھا تھا۔ پھر انہوں نے اپنے آبائی وطن عرب کو کیوں خیرباد کہا؟ اور ایران کے جنوب مشرقی صوبے میں واقع ایک شہر جس کا نام "کرمان" تھا وہاں آکر آباد ہوگئے۔ کرمان شہر کی مناسبت کی وجہ سے وہ کرمانی مشہور ہوگئے۔ اپنا وطن کسے عزیز نہیں ہوتا۔ عام حالت میں کوئی بھی شخص اسے چھوڑنا پسند نہیں کرتا۔ کافی غور و خوض کیا اور اس نتیجہ پر پہنچا کہ سرزمین عرب ان پر ضرور تنگ ہوگئی ہوگی اور وہاں رہنا ان کیلئے سخت دشوار ہوچکا ہوگا کہ اپنا گھر بار' وطن جہاں ان کے جدامجد دفن تھے چھوڑ آئے۔ تاریخ کی ورق گردانی سے معلوم ہوا کہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے بعد مسلمان دو گروہوں میں تقسیم ہوگئے۔ بنوہاشم حضورؐ کے بعد خلافت پر حق اہلیت رسول کا خیال کرتے تھے۔ جس کو دوسرا گروہ ہرگز تسلیم کرنے کو تیار نہ تھا۔ خاندان رسالت کے افراد کو خلیفہ چنتے وقت شامل نہ کیا جاسکا۔ تاہم پھر ایک وقت آیا جب منصب خلافت پر حضرت علیؓ فائز ہوئے لیکن مسلمانوں کے ایک گروپ نے ان سے جنگیں کیں۔ ملک میں کئی لڑائیاں ہوئیں حتیٰ کہ ان کو مسجد میں بحالت سجدہ شہید کردیا گیا۔ یہاں یہ مخالفت ختم نہ ہوئی ان فرزند حضرت امام حسنؓ کو زہر دے کر شہید کیا گیا۔ ان کی میت کو رسول اکرمؐ کے پہلو میں دفن نہ ہونے دیا بلکہ جنازے پر تیروں کے مینہ برسائے۔ آخر مجبوراً ان کو جنت البقیع میں دفن کیا گیا۔ اس کے بعد بھی حکومت وقت نے اہل بیت رسول کو چین سے نہ جینے دیا' ان پر مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹنا شروع ہوگئے۔ جناب امام حسینؓ نواسہ رسولؐ کو مع اپنے اہل و عیال مدینہ چھوڑنے پر مجبور کیا گیا اور آخر کار جب ان کا قافلہ بے آب و گیاہ کربلا کے میدان میں پہنچا تو یزیدی فوجوں نے گھیرا ڈال لیا۔ ان پر

پانی بند کر دیا گیا' لشکر یزید بن معاویہ ان پر درندوں کی طرح ٹوٹ پڑا اور نواسہ رسول اور ان کے مٹھی بھر رفقاء کو شہید کر دیا گیا۔ ان کے بیٹے حضرت امام زین العابدینؑ' مستورات اور چھوٹے بچوں کو دربدر پھرایا گیا اور ایک سال قید کے بعد یہ لٹا پٹا قافلہ پھر مدینہ منورہ جا پہنچا۔ شہادت امام حسینؑ کے بعد اہل بیت رسول سیاسی و مذہبی اعتبار سے بالکل گوشہ نشین ہو گئے۔ اموی حکومت کی منظم کردہ تعذیبی قوتوں نے بعض کو روپوش ہونے پر مجبور کیا اور کچھ نے ان کی انتقامی کارروائیوں سے بچنے کیلئے دور دراز علاقوں میں چھپا لیا۔ حاکم کی طرف سے اہلبیت رسول کے خلاف زبردست پروپیگنڈا کی مہم چلائی گئی۔ تمام ملک کے کونے کونے میں ہر مسجد کے منبر پر حضرت علیؑ کو برا بھلا کہنا امام مسجد کے فرائض میں شامل تھا۔ اس برا بھلا کہنے کی رسم کو تبرا کہتے ہیں۔ خلیفہ عمر بن عبدالعزیز واحد اموی حکمران تھے' جنہوں نے اس رسم کو سختی سے بند کروا دیا۔ وہ اس طرح ہے کہ خلیفہ عمر بن عبدالعزیز نے اپنے ایک خدمت گار کو طلب کیا کہ تم اپنے بیٹے کیلئے میرے دربار میں حاضر ہو کر میری بیٹی کا رشتہ مانگنا لیکن اس نے ہاتھ باندھ کر عرض کی کہ آپ کے ٹکڑوں پر پلنے والا ایک ادنیٰ خادم ہوں' میری کیا مجال کہ میں کوئی ایسا کلمہ کہوں' پھر میرا بیٹا بھی آپ کا ہی نوکر ہے لیکن عمر بن عبدالعزیز نے وہی بات دہرائی لیکن خدمت گار نے عرض کیا نہ تو میرا بیٹا اس قابل ہے اور نہ میرا گھر ایسا ہے جہاں ایک خلیفہ کی بیٹی رہ سکے۔ وہ انکار کرتا رہا لیکن عمر بن عبدالعزیز نے کہا کہ یہ ہمارا حکم ہے۔ ہم تمہیں سب کچھ دیں گے۔ پھر وہ خاموش ہو گیا۔ سوچ رہا تھا کہ واقعی ایسا ہو سکتا ہے کہ وہ خلیفہ وقت کا رشتہ دار بن جائے گا۔ قصہ مختصر خدمت گار کے گھر خادمائیں بھیج دی گئیں' نوکروں کے سروں پر تحفے تحائف تھے۔ ان کو ساتھ لے کر وہ دربار میں حاضر ہوا' خلیفہ کو تحفے پیش کئے جو انہوں نے قبول کئے اور کہا کیا چاہتے ہو' خدمت گار نے دربار میں چاروں طرف اموی شہزادوں کو زرق برق میں ملبوس دیکھا' خوف سے گھبرا گیا' منہ سے کچھ کہنے کی ہمت نہ ہوئی' خلیفہ نے کہا' ہاں ہاں بولو' کیا چاہتے ہو؟ پھر کچھ ہمت کر کے عرض کی کہ بیٹا جوان ہو گیا ہے' خلیفہ نے جواب دیا' اچھی بات ہے' تمہارے کام میں ہاتھ بٹائے گا۔ خدمت گار نے پھر کہا کہ میں

اس کی شادی کرنا چاہتا ہوں' اس کے ہونٹ کانپ رہے تھے' ڈر تھا کہیں مارا نہ جاؤں'
جب خلیفہ عمر بن عبدالعزیز نے یہ حالت دیکھی تو اسے کہا کھل کر اپنا مقصد بیان کرو۔ تم
ایک مسلمان حاکم کے دربار میں ہو' تمہیں ہر طرح کی آزادی ہے۔ تمہاری حفاظت بھی
ہماری ذمہ داری ہے۔ تو اس نے عرض کیا کہ میری خواہش ہے کہ میرے بیٹے کا نکاح
آپ کی صاحبزادی سے ہوجائے۔ اس کے ان الفاظ سے دربار میں طوفان کھڑا ہوگیا۔
دربار میں موجود اموی شہزادوں اور امیروں نے اپنی تلواریں نیام سے باہر نکال لیں کہ
اس کمینے کی یہ جرات' ہم اس کا سر قلم کرکے دم لیں گے۔ یہ صورت حال دیکھ کر خلیفہ
عمر بن عبدالعزیز کھڑے ہوئے اور خطبہ دیا۔ سب کو خاموش کرکے کہا کہ بحیثیت مسلمان
وہ مجھ سے میری بیٹی کا رشتہ مانگ سکتا ہے لیکن ایک باپ ہونے کے ناطے میری ذمہ
داری ہے کہ میں غور کروں کہ آیا میرے گھر میں پرورش پانے والی میرے خدمت گار
کے بیٹے سے گزارہ کرسکے گی۔ کیونکہ ایک باپ ہی اپنی اولاد کے مستقبل کے بارے میں
بہتر سوچ سکتا ہے۔ والدین کی خواہش ہوتی ہے کہ ان کی بیٹی کسی اچھے گھر اور اعلیٰ حسب
نسب والے گھر میں جائے۔ یا پھر کم از کم ان کے برابر معیار کے لوگوں میں بیاہی جائے۔
تمام درباریوں سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا کیا میں ایسی غلطی کرسکتا ہوں کہ سب کچھ
جانتے ہوئے اپنی بیٹی کی شادی اپنے ہی خدمت گار کے بیٹے سے بیاہ دوں تو انہوں نے
یک زبان ہوکر جواب دیا کہ آپ ایسا ہرگز نہیں کرسکتے۔ اس پر خلیفہ عمر بن عبدالعزیز نے
کہا کہ مجھے تم بتاؤ کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم معصوم تھے یا نہیں؟ ان سے
کوئی غلطی سرزد ہوسکتی تھی؟ تو سب نے جواب دیا کہ وہ معصوم تھے' ان سے کوئی غلطی نہ
ہوئی ہے۔ خلیفہ نے پھر کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی بیٹی کا عقد اپنے ہی
خاندان میں اپنے چچازاد سے کردیا تو کونسی غلطی ہے؟ علی جیسی خوبیوں والا' علم و فضل کا
پیکر' شجاع' خدا رسیدہ اور امام زماں آج تک نہ پیدا ہوا جس کا چہرہ دیکھنا عبادت ہے۔
کون ہے جو ان کی برابری کرسکے؟ اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی بیٹی کا
عقد اعلیٰ ترین بندہ خدا کے ساتھ کیا جو ان کیلئے بالکل موزوں اور مناسب تھا۔ میری

طرف سے تمام مساجد کے خطیبوں کو حکم نامہ جاری کیا جائے کہ آئندہ حضرت علیؓ جو کہ داماد رسول ہیں ان کو برا بھلا کہنے والوں کا وظیفہ بند کر دیا جائے گا۔ اور سختی سے سخت سزا دی جائے گی۔ جمعہ کے خطبہ میں ان کا نام نہایت ادب و احترام سے لیا جانے لگا اور یوں تبرّا کی رسم ختم ہوئی۔

یہ بات کھلی حقیقت تھی کہ اولاد رسول اعلیٰ کردار کی حامل اور علم و فضل میں اپنا کوئی ثانی نہ رکھتی تھی۔ لوگ انکی عزت و تکریم بھی کرتے تھے۔ وہ اپنے گھر والوں کو پیاسا میدان کربلا کی تپتی ریت پر شہید ہوتے دیکھ چکے تھے۔ اس لئے انہوں نے ملکی معاملات اور سیاست میں دخل دینا ترک کر دیا۔ یعنی گوشہ نشینی کی زندگی گزارنے لگے لیکن لوگوں کو دین اسلام کی طرف بلاتے رہے' عوام کو اسلام کا درس دینا اپنا اوڑھنا بچھونا بنا لیا' دینی مسائل سکھاتے' روحانی فیض اور حکمت کے خزانے ان کیلئے کھول دیئے گئے' ان کے در پر آنے والا کبھی خالی نہ جاتا' یہی وجہ تھی کہ جب بھی کسی مقام پر امام زین العابدین کو دیکھتے تو ان کی تعظیم کرتے۔ ان کے آگے چلنا یا آگے سے گزرنا بے ادبی خیال کرتے۔ وہ دن رات عبادت الٰہی میں مشغول رہتے۔ خدا کے گھر پر حاضری دیتے۔ یہاں پر واقعہ بیان کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ جب آپ حج کے موقع پر خانہ خدا کے گرد طواف کر رہے تھے جب آپ حجر اسود کو بوسہ دینے کیلئے بڑھتے تو لوگوں کا ہجوم آگے سے چھٹ جاتا' ان کیلئے درمیان میں سے راستہ چھوڑ دیتے۔ یہ چاند محمدؐی عجب شان سے حجر اسود کی طرف بڑھتا۔ اس کو بوسہ دیتا' جسے دیکھ کر ایک اموی شہزادہ نہ رہ سکا اور لوگوں سے دریافت کیا کہ یہ کون شخص ہے؟ جس کا لوگ اتنا ادب اور خیال کر رہے ہیں اور حجر اسود تک جانے کیلئے جگہ چھوڑتے جاتے ہیں حالانکہ ہم حاکم وقت ہیں' ہمارا تو کوئی خیال نہیں کرتا۔ اس وقت ان لوگوں میں ایک مشہور عرب شاعر فرزدق نامی بھی موجود تھا اس نے امام زین العابدین کی شان میں ایک قصیدہ کہہ دیا جن کو علم نہ بھی تھا ان کو بھی معلوم ہو گیا کہ یہ ہستی اولاد رسول میں سے ہیں۔ اپنے شعروں میں کہہ دیا کہ تو نہیں جانتا کہ امام علی زین العابدین سید الساجدین اولاد رسول مقبول ہیں۔ امام علیؓ کے پوتے اور امام حسینؓ کے بیٹے ہیں اور تو

یہ بھی نہیں جانتا کہ ان جیسا اعلیٰ حسب نسب والا اور کوئی نہیں ہے وغیرہ وغیرہ۔ حج کے موقع پر فرزدق کا فضائل اہل بیت رسول بیان کرنا حکومت کو برداشت نہ ہوا اور وہ اس جرم کی پاداش میں جیل بھیج دیا گیا۔ آخر موت کی سزا ملی' میرا مطلب یہ ہے کہ خاندان رسول سے محبت کرنے والوں کو سزائیں ملتی تھیں۔ سادات کو مختلف حیلوں اور بہانوں سے اذیت دی جاتی۔ ان حالات میں سادات نے آہستہ آہستہ عرب کو چھوڑنا شروع کر دیا اور جہاں خیر و عافیت سمجھی وہاں آباد ہو گئے۔

ایران کے بادشاہ نوشیرواں عادل کی پوتی جناب شہربانو کا عقد نواسہ رسول حضرت امام حسین سے ہوا تھا۔ جب سادات سرزمین ایران میں داخل ہوئی تو اس رشتہ کی بناپر سادات کو خوش آمدید کہا۔ ان کو بہت سی سہولتیں فراہم کیں۔ سادات نے بھی ایران کے شہر کرمان کی کشادہ سرزمین کو پسند کیا اور اس طرح حضرت شاہ ابوالمعالیؒ کے آباؤ اجداد یہاں آباد ہو گئے۔ چونکہ وہ کمال علم کے مقام پر فائز تھے اس لئے انہوں نے اپنی زندگی علماء کرام اور زہاد کی تعلیم و تربیت کیلئے وقف کر دی۔ ساتھ ساتھ دین اسلام کی نشر و اشاعت کا سلسلہ جاری کیا۔ درس و تدریس کے شغل کو اختیار کرنے کی وجہ سے لوگوں میں بڑی قدر و منزلت حاصل کر لی۔ مسلمانوں نے چین' مصر' ایشیائے کوچک وغیرہ ممالک کو فتح تو کر لیا لیکن اسلام کی تبلیغ و اشاعت کیلئے کوئی ایسا نظام نافذ نہ کیا جس کا ساری سلطنت پر اطلاق ہوتا۔ لہٰذا اسلام کی اشاعت کا بیڑہ اولیاء کرام اور صوفیاء نے اٹھالیا۔ جنہوں نے نیکو کاری' پاکبازی' اخلاق و محبت اور اسلامی طرز زندگی سے لوگوں کے دلوں کو موہ لیا اور وہ لوگ دائرہ اسلام میں داخل ہوتے گئے اور یہ دائرہ آہستہ آہستہ ہندوستان ایسے ملکوں تک پھیل گیا اور اس حقیقت کو سب تسلیم کرتے ہیں کہ برصغیر میں دین اسلام کی ترویج و ترقی کیلئے تصوف کے روحانی پیشواؤں' اولیاء کرام اور اصفیاء نے نمایاں خدمات انجام دی ہیں بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ اولیاء کرام کی کاوشوں سے اسلام برصغیر کے کونے کونے اور گوشے گوشے تک پہنچا۔ ان مقدس ہستیوں نے غیر مسلموں کے دلوں میں توحید الٰہی اور عشق رسول کی شمعیں روشن کیں اور کلمہ توحید پڑھا کر دائرہ اسلام میں داخل کیا۔

برصغیر میں آمد

بقول عبدالباقی مصنف مقامات داؤدی ایران کا میراں شاہ خوش شکل، شجاع اور صاحب ہمت شہزادہ تھا۔ اپنے والد کے بعد وہ بادشاہ بنا۔ اپنے سات سالہ دور حکومت میں تین سال عراق پر لشکر کشی کئے رکھی۔ بعد میں آذربائیجان کا ارادہ کیا لیکن ماہ جمادی الاول ۷۹۵ ہجری مطابق مارچ ۱۳۹۳ء اپنے بیٹے ابوبکر کو حکومت کی باگ ڈور سونپ دی۔ ابوبکر مرزا ۷۹۳ ہجری میں ترکمانوں کے ہاتھوں مارا گیا۔ بیٹے کی موت کے بعد خود میراں شاہ ان کے مقابلے کیلئے میدان میں آیا۔ لیکن شکست فاش ہوئی، مجبوراً کرمان کی جانب لوٹنا پڑا۔ لیکن ترکمانوں کے خلاف جنگ جاری رکھی۔ آخر ان سے مقابلہ کرتے ہوئے مارا گیا۔ میراں شاہ کی موت کرمان کی تباہی کا باعث بنی۔ وہاں کی سیاسی فضاء بھی خراب ہوگئی۔ کسی کو جان و مال کے تحفظ کی ضمانت نہ تھی۔ ترکمانوں نے کرمان میں لوٹ مار کا بازار گرم کیا۔ جس کے نتیجے میں وہاں کے خاص و عام کو ہجرت کرنا پڑی۔ اس افراتفری کے عالم میں حضرت شاہ ابوالمعالی رحمۃ اللہ کے پردادا سید محمدؒ مبارک اپنے والد محترم فیض اللہ باقی کے ہمراہ برصغیر میں پہنچے اور علاقہ اوچ جو کہ بہاولپور کے قریب ہے وہاں ایک گاؤں داؤد جل کی آب و ہوا کو معتدل اور موافق طبع پایا۔ ایک قطعہ زمین خرید کر ایک خوبصورت مسجد تعمیر کروائی۔ علاوہ ازیں ایک کنواں اور حویلی بھی تعمیر کروائی۔ ان کے وجود شریف کے باعث وہ مقام تھوڑی سی مدت میں ہر خاص و عام کیلئے ملجا و ماویٰ بن گیا۔ میر فیض اللہ باقی اور سید محمدؒ مبارک اسی سرزمین میں دفن ہوئے۔

اس کے برعکس مولانا عبدالقادر بدایونی اور داراشکوہ نے اولیاء کرام و علماء حضرات کا اپنی کتابوں میں ذکر کرتے ہوئے حضرت شاہ ابوالمعالیؒ کے آباؤ اجداد کی برصغیر میں آمد کے بارے میں یوں تحریر کرتے ہیں کہ وہ ترک وطن کر کے ملتان کے قریب ایک گاؤں سیت پور (مظفرگڑھ کی حدود میں ہے) میں پہنچے جو کہ اس خاندان کا اولین مسکن تھا۔ میر فیض اللہ باقی بڑھاپے کی عمر کو پہنچ چکے تھے۔ ان کا انتقال ہوا اور وہ وہیں دفن

ہوئے۔ بعد ازاں ان کے بیٹے سید محمدؒ مبارک کی اولاد کا سلسلہ شروع ہوا۔ ان کے تین بیٹے سید فتح اللہ' سید محمد ہارون اور سید اللہ داد جو صاحب معرفت تھے' سب سیت پور میں ہی رہتے تھے۔ البتہ کبھی کبھی سفر بھی اختیار کرتے تھے۔ سفر کی غرض و غایت عموماً ایسے عالم و فاضل کی تلاش ہوتی جو ان کی علم حاصل کرنے میں مدد کر سکتا ہو۔ چونکہ سید فتح اللہ بڑے بیٹے تھے اور دستور کے مطابق باپ کا جانشین بننے کی خاطر ان کیلئے ضروری تھا کہ وہ علوم مروجہ اور لسانیات سے بہرہ ور ہوں' ابتدائی تعلیم تو اپنے والد بزرگوار سے حاصل کی لیکن ان کو یہ شوق دامن گیر رہا کہ وہ ام البلاد لاہور کے شہرہ آفاق علماء سے استفادہ کریں۔ لہٰذا اپنے والد کی اجازت سے لاہور روانہ ہوئے۔ دوران سفر میر چاکر کی بستی (موجودہ ست گھرا' ضلع اوکاڑہ) میں قیام کیا۔ یہاں محمدؒ حافظ کے عزیزوں نے ایک شاندار مسجد تعمیر کروا رکھی تھی۔ ایک کمرہ مہمانوں کیلئے بھی بنوا رکھا تھا۔ سید فتح اللہ کو وہاں ٹھہرانے کا بندوبست کیا گیا۔ محمد حافظ کے عزیزوں نے اپنے مہمان سے ان کے حسب نسب اور کاروبار کے متعلق پوچھا۔ وہ لوگ سید فتح اللہ کے جوابات سے اتنے مطمئن ہوئے کہ انہوں نے استدعا کی کہ وہ آتے جاتے ان کے یہاں ضرور اقامت گزیں ہوں۔ چنانچہ انہوں نے وعدہ کیا اور وہاں سے لاہور روانہ ہوگئے۔ محمد حافظ ملتان کے مشہور مفتی معزالدّین کے بیٹے تھے۔ ان کی خواہش تھی کہ وہ اپنی بیٹی کی شادی کسی عالم اور پاکیزہ سیرت سید سے کریں کیونکہ ان کا اپنا لڑکا لائق اور عالم نہیں تھا تاکہ ان کی لڑکی کی اولاد تو علم و فضل کے سرمایہ سے مالا مال ہو۔ جب فتح اللہ لاہور میں چند ماہ قیام کرنے کے بعد واپس ہوئے تو راستے میں ست گھرا' میر چاکر کی بستی میں حسب وعدہ ٹھہرے۔ اس بار محمد حافظ کے عزیزوں نے یہ خواہش ظاہر کی کہ وہ اپنے لئے ان کی بیٹی کا رشتہ قبول کریں تاکہ مرحوم محمد حافظ کی وصیت پوری ہو جائے۔ مشرقی طور طریقے کے مطابق ان کی مرضی ان کے والد کی اجازت کے تابع تھی۔ اس لئے سید فتح اللہ نے تا اجازت والد مکرم اس رشتہ کی قبولیت کو معرض التوا میں ڈال دیا اور جب ان کے والد نے رضامندی کا اظہار کر دیا تو سید فتح اللہ اپنے بھائیوں کے ہمراہ ست گھرا بستی میر چاکر برائے شادی خانہ آبادی پہنچ گئے

اور اس طرح ان کی شادی محمد حافظ کی بیٹی سے ہو گئی۔

سید فتح اللہ کے ہاں تین بیٹے سید رحمت اللہ' سید جلال الدین اور سید محمدؒ ابراہیم المعروف داؤد بندگی اور دو بیٹیاں فاطمہ اور خوند بی بی پیدا ہوئے۔ جب سید محمدؒ ابراہیم کی پیدائش ہوئی تو اس سے پہلے ان کے والد سید فتح اللہ انتقال فرما چکے تھے۔ بعد میں والدہ محترمہ کا بھی انتقال ہو گیا۔

سیت پور سے بستی میر چاکر (ست گھرا' ضلع اوکاڑہ) کی طرف نقل مکانی

سیت پور سے بستی میر چاکر (ست گھرا' ضلع اوکاڑہ) کی طرف نقل مکانی کی دو وجوہات بتائی گئی ہیں۔ پہلی وجہ یہ تھی کہ اس زمانہ میں اوچ اور ملتان کے علاقوں میں طاعون کی وبا پھیل گئی۔ جائفل (جائے پھل) کے دانے کے برابر ٹھوڑی کے نیچے ایک غدود نکل آتا' جس سے انسان جلد ہلاک ہو جاتا تھا۔ یہ وبا اس حد تک پھیل گئی کہ وہاں کے بہت سے لوگ اس مرض کا شکار ہو کر دنیا سے چل بسے۔ سید محمدؒ ابراہیم المعروف داؤد بندگی بھی اس وبا میں مبتلا ہو گئے مگر خدا نے ان کو بچا لیا۔

دوسری وجہ سلطان حسین ارغون کے پے درپے حملے تھے۔ جن سے ملتان اور اوچ کے نواحی علاقے محفوظ نہ رہے تھے۔ گویا کوئی بھی ٹھکانہ حملہ آوروں کی دسترس سے محفوظ نہ رہا تھا۔ اس لئے مجبوراً ان تمام بھائیوں نے محفوظ اور بہتر جگہ پر جانے کا ارادہ کیا۔ بدایونی کے بیان کے مطابق ان کیلئے آخری چارہ کار یہی تھا کہ وہ اپنے ننھیالی رشتے داروں کے یہاں پناہ لیں جو ست گھرا (بستی میر چاکر) میں مقیم تھے۔ سید رحمت اللہ اور سید محمدؒ ابراہیم المعروف داؤد بندگیؒ نے اپنا اثاثہ' ایک بیل پر لاد کر ست گھرا (بستی میر چاکر) آ گئے۔ ان کے بھائی سید جلال الدین اور دو بہنیں اپنے چچاؤں کے پاس سیت پور

میں رہ گئے۔ست گھرا میں بڑی مشکل سے اپنے ماموں محمدؒ حاجی بن محمدؒ حافظ کو تلاش کیا۔
انہوں نے سید رحمت اللہ اور سید محمدؒ ابراہیم کو وہاں رہنے کیلئے گھر دیا۔ محمدؒ حاجی کی اولاد
ایک بیٹا اور دو بیٹیاں تھیں۔ انہوں نے اپنی دو بیٹیوں کو اپنے بھانجوں سے منسوب کر دیا اور
اس طرح دونوں اپنے ماموں کے گھر بیاہے گئے۔

ست گھرا (بستی میر چاکر) سے شیر گڑھ نقل مکانی

شیر گڑھ کا قصبہ لاہور سے ملتان جانے والی شاہراہ پر جائیں تو اختر آباد سے تقریباً چھ سات میل اور رینالہ خورد سے گیارہ میل حجرہ شاہ مقیم سے تقریباً پانچ میل ہے۔ دیپالپور سے بذریعہ پکی سڑک شیر گڑھ کو ملا دیا گیا۔ ایک پرانا راستہ جو تحصیل چونیاں سے ملاتا ہے لیکن ابھی تک پکی سڑک تعمیر نہیں ہوئی تاہم خیال ہے کہ یہ سڑک بھی جلد تعمیر ہو جائے گی یعنی شیر گڑھ پانچ اطراف سے آنے والی سڑکوں کے ملاپ پر واقع ہے۔

خاندان حضرت شاہ ابو المعالی رحمۃ اللہ کی ست گھرا (بستی میر چاکر) کے چھوڑنے کی چند وجوہات تھیں۔ اول ان کے ننہالی رشتہ دار سب کے سب ست گھرا چھوڑ کر شیر گڑھ آباد ہوگئے' اس کے ساتھ ساتھ ایک دریا بیاس کی گزرگاہ تھی' دوسرے شیر گڑھ جنگل کے ایک سرے پر بلند ٹیلہ پر واقع تھا۔ زمین زرخیز ہونے کی وجہ سے کھیتی باڑی کیلئے بہت موزوں تھی۔ دیگر پانی و لکڑی با آسانی دستیاب تھی۔ یہ مقام کئی خوبیوں کا مالک اور ہر طرح سے انسانی زندگی گزارنے کیلئے بہتر تھا۔

یہ زمانہ وہ تھا جب مغل شہنشاہ ہمایوں کی حکومت تھی لیکن شیر شاہ ایک قوت بن کے ابھرا۔ ہمایوں شیر شاہ کے سامنے نہ جم سکا اور ہندوستان کی حکومت سوری خاندان کے ہاتھ آگئی۔ اس زمانہ میں ست گھرا میر چاکر سے چھن گیا اور گردو نواح کا علاقہ بلوچوں کے تسلط سے آزاد ہوگیا۔ جیسا کہ نام سے ظاہر ہے شیر گڑھ شیر شاہ سے منسوب ہے۔ اس کو نہ صرف جنگی نقطہ نگاہ سے اہمیت حاصل تھی بلکہ ایک قلعہ بھی تھا۔ قلعہ کے آثار ابھی تک موجود ہیں۔ تعمیر کرنے والے کا نام فتح جنگ بتایا جاتا ہے جسے شیر شاہ نے ملتان کا حاکم مقرر کیا تھا۔ اس حاکم نے اس کو اپنے بادشاہ کی مناسبت سے شیر گڑھ کا نام رکھا تھا۔ یہاں فوج مقررہ تعداد میں رہتی تھی تاکہ امکانی شرانگیزی سے علاقہ محفوظ رہے۔ ان محافظوں نے گاؤں کے گرد ایک بڑی دیوار بھی تعمیر کر رکھی تھی تاکہ دشمنوں کی راہ روکی جاسکے۔ دیگر چوروں' رہزنوں پر کڑی نظر رکھنے کیلئے یہ جگہ مفید ثابت ہوئی کیونکہ یہ مقام دریا راوی اور بیاس کے درمیان تھا۔ مال مویشی کی زیادہ چوری روکنے کیلئے اور علاقہ میں امن برقرار

رکھنے کیلئے قلعہ میں موجود فوج اعلیٰ طریقے سے اپنے فرائض ادا کرتی تھی۔
شیر شاہ سوری کی حکومت زیادہ عرصہ نہ چل سکی۔ ہمایوں نے جلد ہی شیر شاہ سوری کی اولاد سے ہندوستان واپس حاصل کر لیا۔ عہد اکبری میں شیر گڑھ کا گاؤں دیپالپور سرکار اور ملتان کے صوبہ میں شامل ہو گیا۔ ایک روایت کے مطابق شیر گڑھ کا نام اس لئے پڑا کہ یہاں جنگل میں شیر بکثرت تھے۔ یعنی وہ شیروں کا گڑھ تھا۔ واقعہ جو میں نے سنا ہے وہ یہ ہے کہ شیر گڑھ میں ہندوؤں کی آبادی زیادہ تھی۔ اکثر وہ مسلمانوں کو تنگ کیا کرتے تھے۔ مثلاً کنوئیں سے پانی نہ لینے دیتا کہ مسلمان کنوئیں پر پانی لے گا تو کنواں ناپاک ہو جائے گا۔ اس طرح اور بھی کئی مشکلات کا مسلمانوں کو سامنا تھا۔ ایک شخص جو کہ ہندو تھا اپنی گزر اوقات تنور پر روٹی لگا کر کرتا تھا دل سے سادات کا خادم تھا۔ ایک دن جب وہ جنگل سے لکڑی لینے گیا تو اس کی گدھی کو شیر کھا گیا۔ بڑی مشکل سے درخت پر چڑھ کر اپنی جان بچائی۔ اس نے تمام ماجرا حضرت داؤد بندگی کو سنایا اور کہا کہ اب جنگل سے گدھی کے بغیر لکڑیاں کیسے لاؤں گا۔ آپ نے کہا آج رات تم یہاں میرے پاس رہو۔ لکڑیاں لانے کا بندوبست ہو جائے گا۔ رات جب کافی گزر گئی تو حضرت بندگیؒ نے اسے بلایا اور کہا کہ ان شیروں میں پہچانو کون ہے جس نے تمہاری گدھی کھائی؟ وہ خوف کے مارے کانپنے لگا۔ شیر ایک قطار میں کھڑے تھے۔ آخر حضرت داؤد بندگی نے حکم دیا کہ تم میں سے کون ہے جس نے اس کی گدھی کھائی ہے۔ ان شیروں میں سے ایک شیر آگے نکلا اور سر جھکا کر کھڑا ہو گیا۔ آپ نے حکم دیا کہ جب تک اس کو کوئی گدھی میسر نہیں آجاتی اتنا عرصہ تم اس کیلئے لکڑیاں جنگل سے لایا کرو گے۔ یہ ایک واقعہ میں نے سنا تھا جو لکھ دیا لیکن اکثر کتابوں میں دیکھا لیکن اس کی تصدیق نہیں ہو سکی۔ اس طرح بچوں کی قبریں جو چھنا پیر کہلاتی ہیں اسکے متعلق بھی کوئی ثبوت نہ ملا ہے۔ سب سے اہم وجہ یہ تھی کہ اس زمانے میں (ست گھرا) بستی میر چاکر کی حفاظت کی ذمہ داری میر چاکر خان پر تھی۔ جس کو حکومت کی طرف سے ایک جاگیر دار کے اختیارات حاصل تھے وہ بلوچ سردار بھی تھا اور علاقہ سبی سے آیا تھا۔ مغل حکومت ختم ہوتے ہی ست گھرا کا مقام غیر محفوظ ہو گیا تھا۔ اس

لئے حضرت شاہ ابوالمعالیؒ کے والد محترم سید رحمت اللہ اور چچا حضرت داؤد بندگی شیرگڑھ میں آکر آباد ہوگئے۔ایک قطعہ زمین خرید کیا' رہنے کیلئے مکان اور ایک مسجد تعمیر کروائی۔ جہاں دینی تعلیمات دینے کا سلسلہ شروع کیا۔ ابتداء میں تو کافی مشکلات درپیش آئیں لیکن ایک عالم باعمل' پاک و پاکیزہ زندگی اور روحانی کمالات کی بدولت عوام و خواص میں ایک اہم مقام حاصل کرلیا۔ غیر مسلم تبلیغ اسلام سے ان کے ہاتھ پر بیعت کرکے دائرہ اسلام میں داخل ہونے لگے۔ اس طرح خاندان شاہ ابوالمعالیؒ کی عزت و تکریم میں روز بروز اضافہ ہوتا گیا۔

سید محمدؒ ابراہیم المعروف داؤد بندگی کرمانیؒ
مُرشد حضرت شاہ ابو المعالیؒ

حضرت شاہ ابو المعالی رحمۃ اللہ کے مرشد سید محمدؒ ابراہیم المعروف داؤد بندگی کرمانی تھے۔ ان کو شیخ داؤد جھنی وال (چونی) بھی کہتے تھے۔ کیونکہ شیر گڑھ اس وقت چونیاں جو کہ اب ضلع قصور کی تحصیل ہے' اس میں شامل تھا۔ سید محمدؒ ابراہیم کے والد سید فتح اللہ ان کی پیدائش سے پہلے ہی وفات پا گئے تھے' اس لئے ان کے بڑے بھائی سید رحمت اللہ جو حضرت شاہ ابو المعالی رحمۃ اللہ کے والد تھے ان کی پرورش و تربیت کی تھی۔ ان دنوں دیپالپور تعلیم کا مشہور مرکز تھا۔ بڑے بڑے عالم و فاضل استاد درس و تدریس کیلئے وہاں موجود تھے۔ اپنے بھائی کے ہمراہ وہاں چلے گئے۔ چھ ماہ بعد بصیر پور چلے گئے جہاں کے لوگوں نے دونوں بھائیوں کے حسن و اخلاق اور بہترین اوصاف سے متاثر ہوکر ان کو بصیر پور میں آباد ہونے کی درخواست کی' لیکن انہوں نے معذرت کرلی۔ سید داؤد بندگی مزید حصول تعلیم کیلئے لاہور چلے گئے جہاں اچھے علماء کرام سے فائدہ اٹھانے کا موقع ملا کیونکہ آپ بچپن سے انتہائی ذہین اور فہم و ادراک کے مالک تھے اس لئے مشکل سے مشکل مسئلہ کو بہت جلد سمجھ لیتے تھے۔ انہوں نے علوم مروجہ کے علاوہ دیگر زبانیں بھی سیکھیں' دوسری طرف ان کے بڑے بھائی سید رحمت اللہ واپس شیر گڑھ چلے گئے۔ اور خود کو خاندان کی نگہداشت اور بہبود کیلئے وقف کر دیا۔ آپ نے پہلے ہی ایک مدرسہ قائم کر رکھا تھا۔ وہاں بچوں کو دینوی تعلیم سے آراستہ کرنا شروع کر دیا۔

حضرت محمدؒ ابراہیم المعروف داؤد بندگیؒ کی شادی ستائیس برس کی عمر میں ہوئی۔ لیکن ان کو زیادہ رغبت عبادت و ریاضت کی طرف تھی۔ وہ سرمستی کے عالم میں قریبی جنگلوں میں چلے جاتے اور کئی کئی دن غائب رہتے۔ تو ان کے بڑے بھائی سید رحمت اللہ بڑی مشکل سے تلاش کر کے گھر لاتے۔ پھر انہوں نے لاہور کی طرف رخ کیا۔ لاہور سے تقریباً بیس کلو میٹر کے فاصلہ پر ملتان روڈ کی طرف دریائے راوی کے کنارے ایک جنگل تھا جہاں

اب ایک گاؤں مہلن وال ہے' وہاں لوگوں کی آمد و رفت کم تھی' اس جگہ کو پسند فرمایا۔ انہوں نے اساسی عبادت و ریاضت کی تکمیل وہاں کی۔ حضرت شاہ ابوالمعالی رحمتہ اللہ کی اولاد میں سے سید محی الدین جو کہ ولی تھے لوگ ان کو موہ لینے والا پیر کہتے تھے' موہ لینے والا بعدازاں موہلن وال ہوگیا۔ ان کا مزار بھی اسی گاؤں میں ہے۔ لہذا موہلن وال ان کے نام سے منسوب ہے۔

مقامات داؤدی کے مصنف عبدالباقی بن جان محمد جو کہ موضع چھنی نزد گوجرانوالہ کے رہنے والے تھے ان کے مطابق سید محمد ابراہیم رحمتہ اللہ نے گیارہ برس محنت شاقہ کے بعد وہ مقام حاصل کرلیا جس میں صوفی روحانی انوار اپنے باطن میں منکشف پاتے ہیں۔ ایک جید عالم ہونے کی وجہ سے وعظ و تبلیغ کے میدان میں جلیل القدر کارنامہ سرانجام دیا اور ساتھ ساتھ عالی مقام عارف بھی ہوئے۔

آغاز میں کسی بھی سلسلہ تصوف سے وابستہ نہ تھے' اویسی کہلانے لگے۔ موہلن وال کے جنگل میں جب آپ عبادات میں مصروف تھے تو ان کو حضرت غوث اعظم میراں محی الدین عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ کی زیارت ہوئی اور ان سے روحانی تعلق ہوگیا۔ ان کی روح پرفتوح سے اکتساب فیض کیا اور حضرت غوث اعظم رحمتہ اللہ کے حکم سے ظاہر میں دست ارادت حضرت شیخ حامد گنج گیلانی جو شیخ عبدالقادر ثانی کے فرزند اوچ شریف کے دست مبارک میں دیا اور اس طرح قدرت نے قیمتی موتی کو سلسلہ قادریہ کی حسین تسبیح میں پرو دیا۔ مقامات داؤدی میں تحریر ہے کہ حضرت محمد ابراہیم داؤد بندگی رحمتہ اللہ حضرت غوث اعظم کے حکم پر اوچ شریف پہنچے۔ حضرت مخدوم قطب ربانی شیخ حامد گنج کی خدمت میں حاضر ہوگئے اور ان سے عرض کی کہ مجھے مرید بنالیں۔ انہوں نے تبسم کرتے ہوئے فرمایا کہ ہم تمہاری صحبت کے بہت مشتاق تھے' تھوڑی دیر آرام تو کرلو' مضطرب کس لئے ہو۔ پھر مزاح کے طور پر فرمایا شاید میرے بھائی شیخ محمد کی تمہیں جستجو ہے۔ حضرت داؤد بندگی نے کہا کہ میں تو حضرت غوث اعظم رحمتہ اللہ کے حکم سے آپ کے پاس آیا ہوں' خود ہی نہیں کہہ رہا جو مجھے جستجو ہو۔ حضرت مخدوم بہت ہی مسرور و شادماں ہوئے اور اٹھ

ر اندر سے مقراض اور پیراہن لائے اور حضرت داؤد بندگی کو اپنا مرید کیا۔ مقراض چلاتے
ور پیراہن پہناتے ہی عالم ملکوت میں غلغلہ برپا ہو گیا اور زمزمہ چھوٹ گیا۔ اس طرح سنائی
ے رہا تھا کہ تحقیق داؤد خدا سے واصل ہو گیا۔

حضرت داؤد بندگی نے موہلن وال کے فرحت افزا مقام پر چند چلے وصال کے
وزے میں کاٹے۔ اس عرصہ میں حضرت غوث صمدانی نے چند مرتبہ بڑی ہی عنایت و
ربانی سے فرمایا کہ دونوں جہانوں کی دولت تجھے عطا ہونے والی ہے۔ اپنے لئے کوئی جگہ
ور خانقاہ مقرر کر۔ حضرت داؤد ان دنوں بندگی خدا کے بحر فنا میں غرق تھے اور اس بات
قطعاً راضی نہ تھے کہ وہ وحدت کی دولت معیشت سے اس تعلق کو کثرت کی طرف لے
ائیں اور لوگوں کی رشد و ہدایت کی طرف متوجہ ہوں' لیکن آخر کار حضرت نے حکم دیا'
ٹھو کہ کوئی دوسری جگہ اختیار کرو۔ حضرت کے ہاتھ کو دست مبارک سے پکڑا اور دریائے
اوی کے کنارے مغرب کی جانب چل پڑے۔ راستے میں چند جگہ انہوں نے پوچھا کہ
جھے یہ جگہ پسند ہے تو پرچم بخت یہاں نصب کر لے۔ حضرت داؤد نے عرض کیا جہاں کہیں
ں حکم ہو' میں جانے کو تیار ہوں اور جب اس مقام پر پہنچے جہاں آج کل حضرت داؤد
گی کا روضہ مقدسہ واقع ہے تو کھڑے ہو گئے' فرمایا کہ تیرے لئے یہ مقام مبارک ہے۔
س کے ایک طرف تو نشیب اور پانی کی روانی ہے اور دو اطراف میں صحرا اور جنگل ہیں۔
وہ مدت کی بات نہیں ہوگی کہ یہی ویرانہ معمور و پرنور اور عام و خواص کیلئے سجدہ گاہ
ں جائے گا۔

ملاں عبدالقادر بدایونی اپنی کتاب منتخب التواریخ میں لکھتے ہیں کہ وہ کئی روز ان کی
مت میں رہے۔ شیخ داؤد اپنی خدا ترسی اور اخلاق و کردار کی بلندی اور ریاضت عبادات
سبب لوگوں کے دلوں میں خاص مقام رکھتے تھے۔ شاید ہی کوئی ایسا دن ہوتا ہو جس
سینکڑوں کی تعداد میں غیر مسلم اپنے اہل و عیال کے ساتھ آپ کی خدمت اقدس میں
ر ہو کر اسلام قبول نہ کرتے ہوں۔ چنانچہ تیس برس کے عرصے میں ان کے مریدوں میں
ف نو مسلموں کی تعداد ہزاروں تک پہنچ گئی۔ اکبری دور میں ان کی شہرت پورے برصغیر

میں پھیل گئی۔ وہ ہمیشہ اپنے مریدوں اور شاگردوں کو زندگی کی جدوجہد میں مستعد رہنے اور اپنی دینوی حالت بہتر بنانے کی تلقین کرتے رہتے لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس بات پر زور دیتے کہ اس فانی دنیا کے مال و دولت کے حصول میں خدا کو فراموش نہ کریں۔ انھیں تساہل اور کاہلی سے سخت نفرت تھی' نمود و نمائش اور خوشامد کو بھی ناپسند کرتے تھے' وہ دعا کی تاثیر کے شدت سے قائل تھے اور ان کے مطابق وقت کا بہترین مصرف عبادات اور دعا تھا۔ اس چیز پر زور دیتے تھے کہ حصول مقصد کے بعد عبادات جاری رکھنی چاہئیں۔ اپنے وقت کے قطب اور صاحب کرامات تھے۔

حضرت بہاول شیر قلندر حجرہ شاہ مقیم ان کے ہم عصر تھے۔ دو واقعات میں ان کا ذکر سنا ہے۔ ایک مرتبہ میراں بہاول شیر قلندر حضرت داؤد کو ملنے آرہے تھے کہ راستے میں خاندان داؤد بندگی کے بچے اپنے دوستوں کے ہمراہ کھیل رہے تھے' انہوں نے دیکھا کہ ایک شخص شیر کی سواری کئے ہوئے ہاتھ میں ایک سانپ پکڑے ہوئے ہے' دوسرے بچوں نے حیران ہوکر دیکھا تو سادات کے بچوں نے کہا تم ان ٹیلوں کو سواری بنالو' انہوں نے ایسے ہی کیا' ٹیلے ادھر ادھر بھاگنے لگے۔ بچوں کو ٹیلوں کی سواری کرتے ہوئے جب حضرت بہاول شیر نے دیکھا تو وہ وہاں سے حضرت داؤد بندگی کو ملے بغیر واپس ہوگئے۔ جب حضرت داؤد بندگی کو حضرت میراں بہاول شیر قلندر کی آمد کے بارے میں علم ہوا تو وہ بہت رنجیدہ ہوئے اور غصے میں تمام بچوں کو کہا کہ "شالا مرونجو" تمام بچوں کا انتقال ہوگیا۔ شیرگڑھ میں ایک اونچے مقام پر سب کو دفن کیا جنہیں گنج پیر کہتے ہیں۔ لوگ ان کی قبروں کو گنتے ہیں لیکن وہ شمار میں نہیں آتیں۔ کبھی ایک کم کبھی ایک زیادہ ویسے بھی ہمارے بزرگوں نے ان بچوں کے مزارات کو گننے سے منع فرمایا ہے۔

دوسری مرتبہ حضرت بہاول شیر قلندرؒ پھر حضرت داؤد بندگیؒ کی ملاقات کیلئے تشریف لائے تو حضرت داؤد بندگی چلہ کشی میں مصروف تھے۔ خادم سے جب معلوم ہوا کہ حضرت داؤد بندگی مصروف عبادات ہیں تو یہ کہہ کر واپس چلے آئے کہ "اچھا ابھی تک مرغی انڈوں پر بیٹھی ہے۔"

وفات حضرت داوٗد بندگی کرمانیؒ

عمر کے آخری حصہ میں بہت کمزور و لاغر ہو گئے تھے' مسجد سے گھر اور گھر سے مسجد تک پالکی میں جاتے' ان کی وفات ۹۸۲ ہجری بمطابق ۱۵۷۵ء میں ہوئی۔ اس وقت حضرت شاہ ابوالمعالی رحمۃ اللہ کی عمر بائیس سال تھی۔ وہ شیرگڑھ میں مسند داوٗدیہ پر قائم مقام اور سجادہ نشین ہوئے۔ اپنے پیر و مرشد حضرت داوٗد بندگی کے روضہ منورہ کو آپ ہی نے تعمیر کروایا جو کہ تعمیر ۹۹۲ ہجری میں پایۂ تکمیل کو پہنچی۔ حضرت داوٗد بندگی کے روضۂ مبارک کی دیواروں پر جو فارسی اشعار تحریر ہیں وہ آپ ہی کا کلام ہے۔ حضرت شاہ ابوالمعالی ۲۹ سال شیرگڑھ میں رہے اور سلسلہ قادریہ کے فیض کو عام کیا۔ آخر مرشد حضرت داوٗد بندگیؒ کے روحانی ارشاد کی تعمیل میں لوازم شخصیت ان کے صاحبزادے سید عبداللہ کے سپرد کئے اور خود وہاں سے لاہور آ گئے۔

حضرت داوٗد بندگیؒ کا عرس شریف

حضرت داوٗد بندگی کرمانی رحمۃ اللہ کا سالانہ عرس مبارک ہر سال ۱۴ مارچ (یکم چیت) سے شروع ہوتا ہے جو ایک ہفتہ تک جاری رہتا ہے۔ ان کے عقیدتمند دور دراز کے علاقوں سے مختلف جماعتوں یعنی گروپوں کی صورت میں شیرگڑھ کیلئے روانہ ہوتے ہیں۔ اس لئے عرف عام میں ''جماعتوں کا میلہ'' بھی کہتے ہیں۔ وہ لوگ کئی دن پیدل مسافت طے کرتے ہوئے اور اپنے ہاتھوں میں رنگ برنگوں کے پرچم اٹھائے ہوتے ہیں' راستے میں جہاں یہ لوگ قیام کرتے ہیں وہاں ایک میلہ لگ جاتا ہے' دکانیں لگ جاتی ہیں' مقامی لوگ دیگیں پکا کر تقسیم کرتے ہیں' ایک جماعت شرقپور سے بھی گزرتی ہے اور ایک جماعت لاہور سے گزرتی ہے' جو حضرت شاہ ابوالمعالی رحمۃ اللہ کے مزار پر حاضری دیتے ہیں اور ایک رات وہاں قیام کرنے کے بعد شیرگڑھ صبح روانہ ہو جاتی ہے۔ وہ اپنے پیر کی شان میں شعر پڑھتے اور نعرے لگاتے ہیں۔ لوگ ریوڑیوں اور پیسوں کو ان پر نچھاور کرتے

ہیں' یعنی مینہ برساتے ہیں۔ جوں جوں یہ لوگ شیر گڑھ کے قریب پہنچتے ہیں تو ان کی تعداد لاکھوں تک پہنچ جاتی ہے۔ آخری قیام ہجووال کے مقام پر ہوتا ہے۔ ایک جماعت سندھ کی طرف سے آتی ہے اور رینالہ خورد سے ہوتی ہوئی شیر گڑھ کے قریب بڑی جماعت میں شامل ہوجاتی ہے۔ لوگ ٹولیوں کی صورت میں مختلف لباس پہنے ہوئے قریبی دیہات اور شیر گڑھ سے موٹر گاڑیوں' ٹرکوں' بسوں' موٹر سائیکلوں' ٹریکٹر ٹرالیوں' گڈوں' ریڑھیوں' گھوڑوں' اونٹوں اور پیدل کئی میل آگے جماعت کے استقبال کیلئے آتے ہیں اور ان کے ساتھ شیر گڑھ میں داخل ہوتے ہیں۔ تمام جماعتیں سجادہ نشین صاحب کو اپنے پرچم سرنگوں کرکے سلامی دیتی ہیں۔ اس وقت عجیب سماں پیدا ہوتا ہے۔ تمام لوگ پھر دربار حاضری دیتے ہیں' ہر گھر میں مہمانوں کی تعداد کافی ہوتی ہے' جہاں رہنے اور کھانے کا انتظام ہوتا ہے۔ دربار شریف پر چادریں چڑھائی جاتی ہیں' قوالیاں ہوتی ہیں۔ اکثر سادات اپنے گھروں میں بھی قوالیاں کرواتے ہیں اور اس طرح تمام رسومات ایک ہفتہ تک جاری رہنے کے بعد عرس مبارک اختتام پذیر ہوتا ہے۔

حضرت شاہ ابوالمعالیؒ

بادشاہ نامہ عبدالحمید لاہوری مطبوعہ کلکتہ جلد اول میں ان کی پیدائش بھیرہ ، ضلع سرگودھا تحریر ہے اور شاید یہی سید عبداللطیف مصنف تاریخ لاہور نے بھی حضرت شاہ ابوالمعالی کی جائے ولادت بھیرہ لکھی جو کہ درست نہ ہے۔ یہ کوئی اور شاہ ابوالمعالی ہوں گے۔ میری نظر سے ایک اردو ڈائجسٹ کی طرز کا پرچہ شاید حکایات جو لاہور سے شائع ہوتا ہے گزرا' اولیا کرام نمبر تھا۔ اس میں بھی حضرت شاہ ابوالمعالی رحمۃ اللہ کے حالات لکھے ہوئے تھے اور پیدائش کا مقام بھیرہ لکھا تھا جو کہ بالکل غلط ہے۔

آپ کی پیدائش ۱۷ نومبر ۱۵۵۲ء مطابق ۱۰ ذوالحج ۹۶۰ ہجری میں شیر گڑھ کے قصبہ میں ہوئی جو تحصیل دیپالپور ضلع اوکاڑہ میں واقع ہے۔ آپ کا اسم مبارک خیرالدین تھا یعنی "دین کیلئے خیر بھلائی" لیکن شاہ ابوالمعالیؒ کے نام سے مشہور ہوئے۔ آپ کے مرشد حضرت داؤد بندگی کرمانی نے آپ کو ابوالمعالیؒ کہا۔ یعنی بلند درجوں والا اور یہ نام آپ کی کنیت بن کر اتنا مشہور ہوا کہ لوگ اصل نام بھول گئے۔ آپ نے خود ہی اس بارے میں یوں اظہار کیا ہے۔

که پیر نام ابوالمعالیؒ کرد

آپ کے آباؤ اجداد کے متعلق پہلے مفصل ذکر کر چکا ہوں۔ تاہم آپ کے والد ماجد کا نام سید رحمت اللہ تھا جو اپنے زمانہ کے عالم اور باکمال بزرگ تھے۔ ابتدائی تعلیم ان سے حاصل کی۔ دینی تعلیم کے علاوہ دنیاوی تعلیم سے بھی آپ کو آراستہ کیا۔ آپ کی والدہ بھی انتہائی پاکباز اور نہایت نیکوکار خاتون تھیں۔ وہ اکثر بچپن میں حضرت شاہ ابوالمعالی رحمۃ اللہ کو اولیاء کرام کے حالات کہانیوں کی صورت میں رات سوتے وقت سنایا کرتی تھیں لیکن ایک رات اس خدا رسیدہ ماں نے اپنے بیٹے کو ایک ایسے بچے کی کہانی سنائی کہ جس کو سن کر ان کے بخت جاگ گئے۔ وہ کہانی یوں ہے کہ ایک لڑکا تعلیم حاصل کرنے کیلئے بغداد روانہ ہونے لگا تو اس کی ماں نے واسکٹ کے اندر چالیس دینار سی دیئے تاکہ

محفوظ رہیں' قافلہ کے ساتھ بغداد لمبی مسافت طے کر کے پہنچنا تھا۔ جب لڑکا اپنی والدہ سے اجازت لے کر رخصت ہونے لگا تو ماں نے نصیحت کی اور عہد لیا کہ میرے لعل میرے بیٹے ہمیشہ سچ بولنا۔ لڑکے نے اس نصیحت کو سننے کے بعد اپنے دل میں جگہ دی اور بغداد جانے کیلئے قافلہ میں شامل ہو گیا۔ جب یہ قافلہ ہمدان سے گزر رہا تھا تو ڈاکوؤں کے ایک گروہ نے قافلہ کو گھیرے میں لے لیا اور تمام قافلہ والوں کی سب پونجی چھین لی لیکن اس لڑکے کی جانب کسی ڈاکو کا خیال نہ گیا۔ بعد میں ان میں سے ایک اس کی طرف گیا اور پوچھا کہ اے لڑکے تیرے پاس کیا ہے؟ تو اس نے جواب دیا کہ چالیس دینار ہیں۔ ڈاکو نے پوچھا وہ کہاں ہیں لڑکے نے جواب دیا کہ وہ میری بغل کے نیچے سیئے ہوئے ہیں' لڑکے کے اس جواب پر ڈاکو بہت حیران ہوا کہ لوگ چوروں ڈاکوؤں سے اپنا مال چھپا کر رکھتے ہیں' یہ کیسا عجیب لڑکا ہے یقین نہیں آتا کہ اس کے پاس کچھ ہو۔ یہی سوچتے ہوئے اپنے سردار کے پاس لڑکے کو لے گیا۔ اس سے تمام ماجرا بیان کیا۔ پہلے تو ڈاکوؤں کے سردار کو بھی یقین نہ آیا لیکن جب واسکٹ کے اندر سے اس کو کھولا گیا تو پورے چالیس دینار نکلے یہ دیکھ کر سردار لڑکے سے مخاطب ہوا کہ تم نہیں جانتے کہ ہم ڈاکو ہیں اور لٹیرے' جو مال ملتا ہے لوٹ لیتے ہیں۔ پھر تم نے دیناروں کا بھید مخفی کیوں نہ رکھا۔ تجھے کس بات نے اقرار کرنے کی جرات دلادی؟ لڑکے نے سردار کو جواب دیا کہ میری ماں نے سفر پر چلنے سے پہلے مجھے نصیحت کی تھی کہ ہمیشہ سچ بولنا' اس لئے میں نے عہد میں خیانت نہیں کی اور پھر ان چند دیناروں کو چھپانے کیلئے جھوٹ کیوں بولتا۔ لڑکے کی اس گفتگو کا ڈاکوؤں کے سردار پر اتنا گہرا اثر ہوا کہ وہ رو پڑا اور کہا کہ تو نے اپنی والدہ کے ساتھ کئے ہوئے عہد میں خیانت نہیں کی اور جھوٹ نہیں بولا لیکن میں کئی سالوں سے لوگوں کو لوٹ کر خداوند تعالیٰ سے کئے ہوئے عہد میں خیانت کر رہا ہوں۔ سردار اور اس کے ساتھیوں نے توبہ کرلی اور لوٹا ہوا سب مال و اسباب تمام قافلہ والوں کو واپس کر دیا۔ یہ لڑکا جس نے سچ بول کر ڈاکوؤں کو نیکی کی راہ دکھائی تھی بڑا ہو کر برگزیدہ انسانوں میں ممتاز ٹھہرا اور آج پوری دنیا اسلام ان کو محبوب سبحانی غوث الاعظم حضرت سید عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ

کے مقدس نام سے یاد کرتی ہے۔ یہ تھی وہ کہانی جس کے سننے کے بعد ننھے خیر الدین کی کایا پلٹ گئی اور وہ بچہ بڑا ہوکر بزرگوں کی صف میں شاہ ابوالمعالی رحمۃ اللہ کے نام سے مشہور ہوا۔ آپ کے القاب محمد اور اسد الدین بھی ہیں۔

ابوالمعالیؒ کا لقب ملنا

ایک روایت یہ بھی ہے کہ آپ کے پیرو مرشد حضرت داؤد بندگیؒ نے فرمایا۔ کہ ساہیوال کے قریب ایک مقام پر ایک نیک سیرت اور پاک باز لڑکی چند بدمعاش لوگوں کے چنگل میں پھنسی ہوئی ہے۔ ان سے اس لڑکی کا آزاد کروانا بہت ضروری ہے۔ ورنہ بہت ظلم ہوجائے گا۔ اس لئے آپ فوراً وہاں جائیں۔ اور اس نیک لڑکی کو ان سے نجات دلا کر اس علاقہ میں ایک سید زادے سے شادی کروادیں۔ اور تمام کام کرنے کے بعد نماز عشاء میرے ہمراہ یہاں آکر ادا کریں۔ لہٰذا اپنے مرشد کے حکم کی بجا آوری کیلئے آپ پلک جھپک میں وہاں پہنچے۔ آپ نے ان بدقماش لوگوں سے لڑکی آزاد کرانے اور ان کو راہ راست پر لانے کی کوشش کی۔ لیکن انہوں نے مزاحمت کی اور ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کیا۔ آپ کو جلال آگیا۔ اور غصے میں ہاتھ بلند کئے۔ تو اس جگہ بھونچال جیسی صورت پیدا ہوگئی۔ لوگ اپنے اپنے گھروں سے باہر نکل آئے اور وہاں جمع ہوگئے۔ وہ بدقماش لوگ پریشانی کے عالم میں ان کے پاؤں پر گر پڑے اور معافی کے طلبگار ہوئے۔ اور آپ کا مرید ہونے کیلئے عرض کیا۔ جس کو آپ نے منظور فرمایا ان کو مرید کیا۔ نیک سیرت لڑکی کا نکاح ایک سید زادے کے ساتھ خود پڑا۔ وہاں سے واپس آکر حضرت داؤد بندگیؒ کو تمام واقعات وحالات سے آگاہ کیا۔ جن کو سن کر وہ بہت خوش ہوئے۔ اور حضرت خیر الدین کو ابوالمعالیؒ کے لقب سے نوازا۔

حضرت شاہ ابو المعالیؒ کے ہم نام

حضرت شاہ ابو المعالی رحمۃ اللہ کی زندگی کے حالات بہت سے سوانح نگاروں نے بغیر کسی تحقیق کے لکھے ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ شاہ ابو المعالی رحمۃ اللہ جنگجو' قاتل اور باغی تھے لیکن ایسا نہیں ہے' وہ تو ایک درویش' متقی' پرہیز گار' نیک سیرت بزرگ تھے۔ البتہ بعض لوگوں نے ان کے حالات زندگی و واقعات اسی عہد میں ان کے ایک ہم نام شاہ ابو المعالی کے ساتھ گڈ مڈ کر دیئے ہیں۔

حضرت شاہ ابو المعالی رحمۃ اللہ کے ہم ناموں کا ذکر بھی کتابوں میں ملتا ہے۔ اول حضرت سید ابو المعالی رحمۃ اللہ جو کہ حضرت بہاول شیر قلندر کے پوتے اور حضرت محکم الدین شاہ مقیم حجرہ والے کے والد محترم تھے جو اکیس سال کی عمر میں انتقال فرما گئے لیکن اس وقت حضرت شاہ محمد مقیم محکم الدین پیدا ہو چکے تھے جن کا سلسلہ عالیہ جناب سید اعجاز علی شاہ صاحب سجادہ نشین حجرہ شاہ مقیم اب تک قائم و دائم ہے اور لوگ فیض حاصل کر رہے ہیں۔ سید ابو المعالی رحمۃ اللہ کا روضۂ مبارک حضرت میراں بہاول شیر قلندر کے مقبرہ کے بالکل قریب بائیں جانب حجرہ شاہ مقیم ضلع اوکاڑہ میں ہے۔

دوئم شاہ ابو المعالیؒ جو کہ مغل بادشاہ ہمایوں کا مقرب تھا لیکن سیرت و صورت کے لحاظ سے بالکل برعکس تھا۔ وہ ایسا مغرور ہوا کہ جب اکبر بادشاہ کلانور میں تخت پر بیٹھا تو حاضر نہ ہوا۔ آخر بہرام خان خاناں جو اس وقت اکبر بادشاہ کا اتالیق اور وزیر اعظم بھی تھا اس نے کسی حیلے سے بلا کر اسے لاہور کے شاہی قلعہ میں قید کر دیا۔ جہاں سے وہ کوتوال کی غفلت سے بھاگ نکلا لیکن پھر پکڑا گیا اور گرفتار ہو کر قلعہ بیانہ میں محبوس ہوا۔ جب بہرام خان نے اکبر بادشاہ سے روگردانی کی تو اسے آزاد کر دیا گیا تو وہ مکہ چلا گیا لیکن واپس جلدی ہندوستان آ گیا۔ حالات ناساز گار دیکھتے ہوئے کابل کا رخ کیا' وہاں محمد حکیم مرزا کی والدہ کو اپنے جال میں پھنسا کر اس کی بیٹی سے نکاح کر لیا۔ پھر اپنی ساس اس کے امراء کو قتل کرنے کے بعد خود مختار ہو بیٹھا۔ مرزا موصوف نے مرزا سلیمان حاکم بدخشاں کی مدد سے کامیابی حاصل کی لیکن بعد میں قصاص میں قتل کر دیا گیا۔ پس یہ شاہ

ابوالمعالی اور تھا اور اس واقعہ سے حضرت شاہ ابوالمعالی رحمۃ اللہ قادری کا کوئی تعلق نہیں۔

دوسری شادی

آپ کی پہلی شادی تو حضرت داؤد بندگی کی صاحبزادی سے ہوئی۔ جو شیر گڑھ میں ہی انتقال کر گئیں۔ جن کو اپنی والدہ محترمہ کی قبر کے پہلو میں دفن کیا گیا۔ بعد ازاں آپ کی دوسری شادی مغل خاندان کے بادشاہ جہانگیر کی نواسی سے ہوئی۔ جن کا انتقال لاہور میں ہوا۔ ان کو روضہ حضرت شاہ ابوالمعالیؒ کے باہر جنوب مغرب کی جانب قبرستان خواتین میں علیحدہ دفن کیا گیا ہے۔ ان کو سند سلطانی کے تحت گیارہ حویلیاں اندرون شہر لاہور ملیں۔ جن میں حویلی پیر فیروز شاہ۔ حویلی سید حاجی شاہ پتھراں والی۔ حویلی سید کرم علی شاہ سند سلطانی ضلع کچہری لاہور کے محافظ خانہ میں موجود ہے۔ جو کہ فارسی زبان میں تحریر ہے۔ جس کی رو سے مذکورہ جائیداد کے تصرف کا حق اولاد حضرت شاہ ابوالمعالیؒ کو عطا ہوا۔ مزار حضرت شاہ ابوالمعالیؒ اور ملحقہ مسجد اسی زرعی جائیداد پر واقع ہے۔ ایک زمانہ تھا جب مزار حضرت شاہ ابوالمعالیؒ کے جنوب میں ایک بہت بڑی سرائے (مسافر خانہ) بھی تعمیر تھا۔ جس کے آثار بندہ نے بھی دیکھے ہیں۔ تمام چھوٹی اینٹ اور گارے سے بنائی گئی تھی۔ چھت پر بالے اور شتیر ڈالے گئے تھے۔ ایک بہت بڑا کمرہ اور محراب بنے ہوئے تھے۔ دیواریں بہت چوڑی تھی۔ دور دراز سے آنے والے عقیدت مند وہاں قیام کرتے تھے کیونکہ اس زمانہ میں سفر کرنے کی اتنی سہولتیں نہ تھیں۔ اولاد حضرت شاہ ابوالمعالیؒ گاہے بگاہے شیر گڑھ سے آتی رہتی تھی۔ اور کچھ یہاں شیر گڑھ ہاؤس میں قیام کرنے کے بعد واپس چلے جاتے تھے۔ شیر گڑھ ہاؤس 1960ء کے قریب فروخت ہو گیا۔ عرس کے موقع پر کل سادات شرکت کیلئے لاہور پہنچ جاتے۔

سید شاہ عبدالستار شہید:۔

سید شاہ عبدالستار حضرت شاہ ابوالمعالیؒ کے صاحبزادے تھے۔ ان کے متعلق مشہور ہے۔ کہ وہ سکھوں کے ساتھ لڑ رہے تھے۔ کہ کسی دشمن نے ان پر تلوار سے وار کیا۔ تو ان کا سر تن سے جدا ہو گیا۔ لیکن اس کے باوجود ان کا دھڑ سکھوں سے برسرپیکار رہا۔ اور کئی سکھ جہنم واصل کئے۔ یہ صورت دیکھ کر سکھ ان کے پاؤں پر گرے پڑے۔ اور اپنی جانیں بچانے میں کامیاب ہو گئے۔ تاہم وہ سکھوں کی لڑائی میں شہید ہو گئے جن کو حسین گڑھ کے قریب اونچے چبوترے پر دفن کیا گیا۔ وہاں اور بھی مزارات ہیں۔ عموماً لوگ دربار شاہ ستار کہتے ہیں۔

حضرت داؤد بندگی کی صحبت میں رہنا

والدین سے تربیت کے بعد حضرت شاہ ابو المعالی رحمتہ اللہ کو اپنے چچا داؤد بندگی کے حوالے کر دیا گیا جن کی نگرانی میں علوم ظاہری حاصل کئے۔ ان کی صحبت میسر آجانے کے بدولت انہوں نے صداقت، امانت و انسانی محبت کو اپنا شعار بنالیا۔ اپنے عزیزوں اور غیروں سے اس طرح پیش آتے کہ عزیز اور غیر میں کوئی فرق باقی نہ رہنے دیتے۔ ان کیلئے ہر انسان محبت کے قابل تھا اور کسی کو برتر اور کسی کو کمتر خیال نہ کرتے تھے۔

دیال سنگھ کالج کیلئے زمین دینا۔

یہاں پر یہ ذکر کرنا ضروری سمجھتا ہوں دیال سنگھ کالج بھی ان کی ملکیتی زمین پر واقع ہے جس کے متعلق کچھ یوں ہے۔ کہ آپ اولاد میں سے حضرت سید محی الدین المعروف مویاں شاہ صاحب اعلیٰ پایہ کے بزرگ تھے۔ ہندو اور سکھ بھی ان کا برابر احترام کرتے تھے۔ وہ ان کو موہ لینے والا پیر کہہ کر پکارتے تھے۔ جو بعد میں میاں شاہ ہو گیا۔ ایک دن دیال سنگھ مجیٹھیہ ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس نے ایک کالا تیتر اور ایک گرم دھسہ بطور تحفہ پیش کیا۔ بعد ازاں اس نے عرض کیا۔ کہ بچوں کیلئے ایک تعلیمی درس گاہ تعمیر کرنا چاہتا ہے۔ جس کیلئے جگہ درکار ہے۔ مسلمان ہندو اور سکھ سب کے بچے وہاں تعلیم حاصل کریں گے۔ لہٰذا حضرت محی الدین المعروف میاں شاہ صاحب فرمایا۔ تمہیں جتنی جگہ کی ضرورت ہے۔ وہ اس زمین میں سے لے لو۔ دیال سنگھ نے عوام و صاحب حیثیت حضرات سے چندہ اکٹھا کر کے دیال سنگھ کالج تعمیر کروایا۔ جو کہ وقف ہے۔ اولاد حضرت شاہ ابو المعالیؒ کی غیر حاضری کی وجہ سے کافی زمین پر ناجائز قابضین نے قبضہ کر لیا۔ باقی زمین سے کچھ بک گئی اور کچھ پر ان کی اولاد آباد ہے۔ یہ آبادی محلہ شاہ ابو المعالیؒ کے نام سے مشہور ہے۔

تلاش رہبر

ایک مرتبہ مولانا روی کا کلام پڑھتے پڑھتے ایک مقام پر ایسے رکے کہ ان کی اپنی زندگی دنیا کی ایک عام راہ سے ہٹ کر ایک ایسے مقام پر آگئی جہاں انسان اپنی ذات کو نفی کرکے خالق کی ذات کو اپنے آپ میں محسوس کرتا ہے۔ جن اشعار نے انہیں یہ راہ بھائی ان کا مفہوم کچھ اس طرح ہے۔

> قلم لکھ رہا ہے' لیکن ہاتھ چھپا ہوا ہے' سوار کا پتہ نہیں لیکن گھوڑا دوڑ رہا ہے' ہر ذی شعور یقین رکھتا ہے کہ جو چیز حرکت کرتی ہے اس کو حرکت دینے والا کوئی ضرور ہے' اگر تم اس کو دیکھ نہیں سکتے تو اس کے اثر کو دیکھ کر سمجھو' بدن جو حرکت کرتا ہے جان کی وجہ سے کرتا ہے' تم جان کو نہیں جان (سمجھ) سکتے تو بدن کی حرکت سے جان کو مانو۔

ان اشعار سے جب ان کی توجہ جان پر مرکوز ہوئی تو انہوں نے معرفت کا وہ راز پالیا جو زندگی کو حال میں فانی اور مشاہدہ حق میں باقی رکھتا ہے۔ انہیں خیال آیا کہ اس راستے پر چلنے کیلئے کسی رہبر کی ضرورت ہے' جب اس راستے کا پتہ نہیں تھا تو خیال تھا کہ خدا کے سوا کوئی نہیں اور خدا کی ذات صفات میں کوئی اور شریک ہے اور جب آنکھوں کے سامنے یہ نئی راہ دکھائی دی تو اس وقت احساس ہوا کہ خدا کے سوا اور کوئی چیز عالم میں موجود ہی نہیں' جو کچھ موجود ہے وہ سب خدا ہی ہے' تصوف کی اس معراج تک پہنچنے کیلئے ان کو ایک ایسے رہبر کی تلاش تھی جس کے ہاتھ میں علم اور عمل کی روشن مشعل ہو' چنانچہ آپ کچھ عرصہ تک درس تصوف کیلئے کسی ایسے مرد کامل کی تلاش میں جنگل جنگل سرگرداں رہے' عبادتیں ریاضتیں کیں' دور دراز کے سفر کئے جس کی بنا پر آپ کو غوث کہا جانے لگا۔ ایک مرتبہ ۹۸۰ھ میں سفر کرتے کرتے دہلی (ہندوستان) پہنچ گئے۔ وہاں ایک روز دہلی کی سڑک پر گزر ہوا تھا تو ایک صاحب کشف مجذوب سے ملاقات ہوئی جو کسی

مرض میں گرفتار اور آزمائش خداوندی میں پڑا ہوا تھا۔ اس نے حضرت شاہ ابوالمعالی رحمۃ اللہ کی طرف دیکھا اور تعجب سے ہنستے ہوئے بولا کہ آج دنیا والے لوگ طریقت و حصول معرفت حاصل کرنے کی خاطر حضرت داؤد بندگی کے در پر حاضر ہوتے ہیں اور یہ لوگ اس قسم کی نعمت گھر میں رکھتے ہوئے باہر دوڑ رہے ہیں۔ یہ بات سنتے ہی حضرت شاہ ابوالمعالی رحمۃ اللہ کے دل میں اس کی محبت و عقیدت پیدا ہوگئی' چنانچہ مشتاقانہ انداز میں ان کے سامنے بڑے ادب و احترام کے ساتھ بیٹھے رہتے' ایک دن اس مجذوب نے کھانے کیلئے مچھلی کا تقاضا کیا' حضرت شاہ ابوالمعالی رحمۃ اللہ نے مچھلی بھون کر وقت پر مجذوب کو حاضر کردی۔ ہرچند دوسرے لوگوں نے منع کیا کہ مچھلی اس مرض میں نقصان دہ ہے لیکن انہوں نے لوگوں کی پرواہ کئے بغیر مجذوب کی خواہش پوری کی' جس نے مچھلی بڑے شوق اور رغبت سے کھائی اور حضرت شاہ ابوالمعالی رحمۃ اللہ کے حق میں دعائے خیر کی۔ دوسری جانب حضرت شاہ ابوالمعالی رحمۃ اللہ کا دہلی میں قیام کے دوران ان کی والدہ شریفہ ان کی دوری کی وجہ سے بڑی پریشان' بے قراری اور اضطراب سے دوچار رہیں' جن کے نالہ و آہ کی آواز صبح و شام حضرت داؤد بندگی کے کانوں میں پڑتی رہتی تھی۔ ایک روز انہوں نے بہت بے چینی کے عالم میں حضرت داؤد سے عرض کی کہ والدہ معالی کے فراق میں میرا جگر بھن گیا' اب مزید طاقت برداشت نہیں رہی' معلوم نہیں وہ کہاں ہے' اور کیا کر رہا ہے' خدارا توجہ فرمائیں۔ حضرت داؤد بندگی اپنی بھاوجہ کے ساتھ بڑی مہربانی سے پیش آتے تھے کیونکہ وہ رشتہ میں ان کے ماموں کی بیٹی اور ان کی اہلیہ قدسیہ کی ہمشیرہ تھیں' تبسم فرماتے ہوئے کہا اس کی خبر کیا پوچھتی ہے' چند روز سے وہ ایک ہجر زدہ مجذوب کی خدمت میں رہ رہا ہے' آج دہلی کے بازاروں میں بیٹھا ہے' اپنی سیر سے سیر ہوچکا ہے' عنقریب پہنچنے والا ہے' جا بیٹھ رہ اور صبر کا شیوہ اختیار کر۔ حضرت بی بی نے جب یہ سنا تو صبر کرتے ہوئے خاموش ہوگئیں۔ پھر کچھ دیر توقف کرنے کے بعد خط لکھوایا کہ میں اپنی زندگی سے مایوس ہوچکی ہوں' جلدی پہنچ کہ میں زندہ رہوں' میری جان ہونٹوں پر آچکی ہے تو فوراً آجا۔ جب میں نہ رہوں گی تو پھر کیا کرنے آؤ گے' یہ خط ایک قاصد کے حوالے

کیا گیا اور جانب دہلی دوڑایا۔

ابھی قاصد راستے میں ہی تھا کہ حضرت شاہ ابوالمعالی رحمتہ اللہ سے ملاقات ہوگئی۔ قاصد نے وہ خط ان کے حوالے کیا۔ حضرت شاہ ابوالمعالی رحمتہ اللہ ایک ماہ بعد واپس شیر گڑھ تشریف لائے' اس وقت داؤد بندگی کے اردگرد قرب و جوار کے بہت سے لوگ جمع تھے' جن سے وہ مخاطب تھے' حضرت شاہ ابوالمعالی ڈرتے کانپتے سب سے چھپتے چھپاتے حضرت داؤد بندگی کی پشت مبارک کی طرف دور جا بیٹھے۔ جب حضرت داؤد بندگی اپنے کلام شیریں سے فارغ ہوئے تو چہرہ مبارک حضرت شاہ ابوالمعالی کی طرف پھیر کر یہ شعر پڑھا۔

رو گرد جہان بر او پاآبلہ کن گر ہمچو من یابی ما وا یلہ کن

ترجمہ: جا دنیا بھر میں گھوم اور پاؤں میں چھالے ڈال لے' اگر مجھ جیسا کوئی نظر آئے تو مجھے چھوڑ دے۔

القصہ مختصر حضرت داؤد بندگی رحمتہ اللہ نے حضرت شاہ ابوالمعالی رحمتہ اللہ سے فرمایا' معالی آگے آ' ذرا یہ بتا کہ تو نے اس مجذوب کو کیسا پایا۔ تو نے اس سے کیا سُنا' حضرت شاہ ابوالمعالی رحمتہ اللہ نے تمام سرگزشت بیان کی تو حضرت داؤد بندگی رحمتہ اللہ نے فرمایا کہ وہ ابتداء میں عجب حال میں تھا لیکن اب مہجوروں میں سے ہے۔ اگر تجھ کو اس بلند مرتبہ گروہ کی دولت سلوک سے بہرہ وافر کی آرزو ہے تو ہمیشہ میرے سامنے حاضر رہ اور دوری اختیار مت کر تاکہ تجھے وہ کچھ حاصل ہو جو دوسری جگہوں سے ساری عمر میسر نہ آئے گا۔

ہر کہ خواہد با خدا ہم نشینی گو نشین اندر حضور اولیا

ترجمہ: جو کوئی خدا کے ساتھ ہم نشین ہونا چاہتا ہے اس سے کہو کہ وہ اولیا کی خدمت میں بیٹھے۔

حضرت شاہ ابوالمعالیؒ کا بیعت ہونا۔

آپ نے حضرت داؤد بندگی کے ہاتھ پر بیعت کی اور ان کی زیر ہدایت روحانیت کی منزلیں طے کرنا شروع کیں۔ حضرت داؤد بندگی نے آپ کو اپنے ایک مرید خاص شیخ عبدالوہاب کے سپرد کیا تاکہ وہ ان کو صوفیہ کے آداب سلوک و طریقت سکھائیں' چونکہ آپ کے مرشد سلسلہ قادریہ سے منسلک تھے اس لئے آپ نے بھی وہی راستہ اختیار کیا۔ پھر ایسی ریاضت و عبادت کی کہ کئی کئی دن روزہ سے رہتے اور جب افطار کرتے تو جنگل کے درختوں یا نیلوفر کے سبز پتوں سے روزہ افطار کرتے تھے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ آپ نے بہت جلد اپنے مرشد کی نظر میں مقبولیت حاصل کرلی۔ آپ داؤد بندگی کے ممتاز خلیفہ بھی تھے۔

ایک دن کا واقعہ ہے کہ آپ حیران و پریشان بیٹھے تھے' آپ کو حضرت غوث الاعظم پیران پیر دستگیر کے دیدار کے شوق نے بے چین کر رکھا تھا' آپ کے پیر و مرشد حضرت داؤد بندگی کو آپ کی حالت کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے آپ کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ معالی آج یا کل ہم تمہیں حضرت غوث الاعظم کی خدمت میں حاضر ہونے کا موقع دیں گے' اس گھڑی کا انتظار کرو۔

آپ اس گھڑی کا بے چینی سے انتظار کرنے لگے' ایک دن جب آپ کچھ سوئے ہوئے تھے کچھ جاگ رہے تھے' آپ نے دیکھا کہ آپ کے مرشد تشریف لائے ہیں' وہ آپ کا ہاتھ تھام کر حضرت غوث الاعظم کی محفل میں حاضر ہوئے۔ حضرت غوث الاعظم کے سیدھی طرف حضرت ابوالمعالی عراقی بیٹھے تھے۔ آپ کے مرشد سے رتبے میں زیادہ ہیں' اس خیال کا آنا تھا کہ حضرت غوث الاعظم نے آپ کی طرف دیکھا اور فرمایا: "اے ابوالمعالی تیرا شیخ میرا دل ہے اور دل بائیں طرف ہوتا ہے"۔ حضرت شاہ ابوالمعالیؒ کو جہاں اپنے پیر و مرشد سے عشق تھا وہاں آپ حضرت غوث الاعظم سے بے پناہ عقیدت و محبت رکھتے تھے۔

حضرت داوٗد بندگیؒ کا جانشین مقرر ہونا

جب آپ کے مرشد و ہادی نے نماز جمعہ کے وقت جمادی الاول ۹۸۲ھ بمطابق ستمبر ۱۵۷۳ء میں اس سرائے فانی سے سرائے جاودانی کو رحلت فرمائی یعنی بزرگی اور عظمت کے سلطان نے اس دنیا فانی سے کوچ کیا تو آپ کو اپنے باکمال چچا' سسر اور پیر و مرشد کا جانشین اور خلیفہ بنا دیا گیا۔ عرصہ ۲۹ سال تک شیر گڑھ میں مسند داؤدیہ قادریہ کے قائم مقام سجادہ نشین رہے۔ آپ نے اس سلسلہ کو نہایت ہی رونق بخشی اور آفتاب داؤدیہ کی روشنی سے ہزاروں لوگوں کے دلوں کو منور کیا۔

پیر و مرشد کے روضہ منورہ کی تعمیر

آپ نے اپنے مرشد کے روضہ منورہ کو تعمیر کروانا چاہا تو ہر طرف سے استاد و کاریگر شیر گڑھ میں جمع ہونے لگے' اتفاق سے ان دنوں استاد بازید جو کہ مٹی گارے کا کام یعنی کچی تعمیر کا کام کرتا تھا نو عمری کے عالم میں تھا اور کوئی بڑا ماہر تعمیر نہ تھا' وہ بھی اپنے چند ہم پیشہ ساتھیوں کے ہمراہ مرقد منورہ کی زیارت کے ارادے سے لاہور سے شیر گڑھ پہنچا۔ اس نے جب وہاں اینٹوں اور چونے کے ڈھیر پڑے دیکھے تو اس نے بھی تعمیر کرنے کی اجازت چاہی لیکن اس کی کم عمری اور ناتجربہ کاری آڑے آئی۔ وہ غم زدہ ہوکر لاہور لوٹ آیا لیکن بعد میں حضرت داوٗد بندگی نے خواب میں فرمایا کہ تعمیر کا کام اسی نوجوان کو سونپ دیا جائے جو یہاں سے مایوس ہوکر لوٹ گیا ہے۔ لہٰذا استاد بازید کو لاہور سے بلوایا گیا اور کام سپرد کر دیا گیا۔ استاد بازید بیان کرتا ہے کہ ہم نے روضہ منورہ کے دامن کی کرسی کی دیوار مشرق کی جانب سے شروع کی' جس وقت یہ دیوار مغرب کی طرف شیخ کمال

اور شیخ عبدالوہاب کے متبرک مرقدوں کے برابر پہنچی تو ہم نے دیکھا کو دونوں مبارک قبریں چبوترے کی دیوار کے نیچے آ رہی ہیں۔ اپنی غلط سوچ پر بہت نادم ہوا۔ اب نہ تو اس بات کی طاقت کہ ساری دیوار گرا دیتا اور یہ بھی درست نہ تھا کہ دیوار کو ٹیڑھی کر کے دونوں قبریں درمیان میں لے آتا۔ حیرانی و پریشانی کے عالم میں حضرت شاہ ابوالمعالیؒ کی خدمت میں پہنچا' وہ میری پریشانی کو سمجھ گئے اور فرمانے لگے غم مت کر' آج کام بند کر دے' کل دیکھیں گے کہ کیا صورت بنتی ہے۔ صبح جب بازید کام شروع کرنے کیلئے مرقد پر پہنچا تو دیکھا کہ بندگی شیخ کمال اور شیخ عبدالوہاب کی دونوں قبریں پروردگار کی قدرت سے احاطہ دیوار کے اندر آکر چبوترے میں داخل ہوگئی ہیں۔ سب لوگ حیرت کے سمندر میں ڈوب گئے کہ نہ تو دونوں قبریں اپنی جگہ سے ہٹی تھیں اور نہ چبوترے کی دیوار ہی ٹیڑھی ہوئی۔ استاد بازید متغیر ہوکر حضرت شاہ ابوالمعالیؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور صورت حال بیان کی۔ وہ مسکراتے ہوئے فرمانے لگے استاد بازید یہ کام حضرت کی قدرت کا تصرف یعنی کرامت کے آگے کیا حیثیت رکھتا ہے۔

صالحین' فقیر و امیر دیگر عقیدتمند اینٹیں اور گارا دیتے اور ساتھ درود پاک اور سورۃ اخلاص پڑھتے جاتے تھے۔ لوگوں کا اس قدر ہجوم ہوجاتا کہ اینٹ دینے کی باری میں دیر اور دشواری پیدا ہوجاتی۔ اس طرح ساڑھے چار سال کی مدت میں ۹۹۲ھ میں روزہ منورہ کی عمارت تکمیل پذیر ہوئی۔

حضرت شاہ ابوالمعالیؒ بحیثیت ایک مصنف و شاعر

آپ کو شروع سے ہی لکھنے پڑھنے کا شوق تھا۔ لہٰذا انہوں نے ارادہ کیا کہ اپنے مرشد و ہادی حضرت داؤد بندگی کے ارشادات کو تحریر میں لایا جائے۔ لہٰذا انہوں نے ہر قسم کی غیبی واردات' مقدس کلمات اور ان کے منہ سے نکلے ہوئے قیمتی موتیوں کو ہر روز کتابت کی لڑی میں پرونا شروع کیا تاکہ ان کا یہ مجموعہ اصحاب سعادت کیلئے تازگی ایمان

ثلث ہو۔ بالخصوص ان کے عزیزوں اور جانی دوستوں کی روحانی سفر میں رہنمائی کرے۔ وہ نسخہ کیمیا چار حصوں میں تھا۔ ابھی اس نسخہ کی پوری طرح تکمیل نہ ہوئی تھی کہ ایک رات اتفاق سے آپ اندر گھر میں تشریف فرما تھے اور خادم نے حسب دستور ان کے حجرے میں روشنی کیلئے چراغ جلا کر رکھ گیا۔ چراغ سے کچھ چنگاریاں نیچے فرش پر بچھی ہوئی دری پر گریں جس سے دری کو آگ لگ گئی' شعلے بھڑکے اور اٹھے جنہوں نے حجرے کے دروازے طاق اور پھر چھت کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ اس طرح حجرے میں پڑا ہوا تمام اسباب بھی جل کر راکھ ہو گیا جن میں قیمتی نسخہ بھی راکھ ہو گیا۔ صبح جب آپ حضرت داؤد بندگی کی بارگاہ میں حاضر ہوئے تو انہوں نے آپ کا چہرہ دیکھا اور تبسم کے ساتھ حافظ کا یہ شعر اپنی زبان مبارک سے پڑھا۔

بشو اوراق گر ہمدرس مائی   کہ حرف عشق در دفتر نباشد

ترجمہ: اگر ہمارا ہم درس ہے تو اوراق دھو ڈال کیونکہ عشق کی بات کتاب میں نہیں ہوتی۔

یہی وجہ ہے کہ حضرت داؤد بندگی کی زندگی میں کوئی بھی ملفوظات کی تالیف میں کامیاب اور مامور نہ ہوا لیکن ان کے وصال کے بعد حضرت شاہ ابوالمعالیؒ نے جو کہ ولایت کی نشانیوں کے مظہر ہدایت کی روشنیوں سے منور تھے آخری عمر کے حصہ میں کئی کتابیں عوام کی رہنمائی کیلئے لکھیں لیکن دقیق انداز میں نہیں بلکہ نہایت سادہ فارسی اور ہلکے پھلکے انداز میں تحریر کیں کیونکہ ان کے مخاطب علماء حضرات نہ تھے بلکہ عوام الناس تھے جن کیلئے سادہ انداز بیان ہی بہتر تھا تاکہ وہ ان تحریروں کو آسانی سے سمجھ سکیں۔

فارسی نثر نگاری کے علاوہ آپ فارسی زبان میں شعر بھی کہتے تھے۔ مختلف مقامات پر معلی' معالی ابوالمعالی اور غربتی بطور تخلص تحریر کیا ہے۔ آپ حق آگاہ صوفی' مرد شناس' واعظ و عالم اور مصنف ہونے کے علاوہ ایک سیر گو شاعر بھی تھے۔

اپنے بزرگوں سے سنا ہے کہ یہ بات طے ہے کہ حضرت شاہ ابوالمعالی کو ہر رات

حضرت میراں محی الدین عبدالقادر جیلانیؒ کی زیارت ہوا کرتی تھی۔ آپ ان سے دینی اور دنیاوی معاملات میں رہنمائی حاصل کرتے تھے۔ لیکن ایک وقت ایسا بھی آیا کہ آپ کو زیارت ہونا بند ہوگئی۔ واقعہ کچھ یوں ہے کہ ایک مرتبہ آپ کے ہاں ایک مہمان آکر ٹھہرا اور وہ حقہ پیتا تھا اس لئے اس نے حقہ پینے کی خواہش ظاہر کی۔ آپ خود تو حقہ نہ پیتے تھے۔ لیکن مہمانداری کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے کسی دوسرے گھر سے حقہ منگوادیا۔ وہ حقے کی چلم میں تمباکو ڈال کر آگ بھی رکھ کر دے گئے۔ مہمان نے جب حقہ پینا شروع کیا تو وہ چلتا نہ تھا لہٰذا اس نے آپ سے شکایت کی کہ حقہ چلتا نہ ہے' اس وقت کوئی دوسرا موجود نہ تھا اس لئے آپ نے حق مہمان نوازی ادا کرتے ہوئے حقہ کے کچھ کش لگائے' اور جب وہ چل پڑا تو آپ نے مہمان کو پیش کیا۔ اس رات آپ زیارت سے محروم رہے۔ بڑی پریشانی ہوئی۔ یا خدایا کیا ہوگیا' کونسی غلطی ہوگئی' اللہ تعالیٰ سے حضرت غوث الاعظم کی زیارت کا سلسلہ بحال ہونے کیلئے التجائیں کیں' آہ و زاری کی کہ میرے مالک مجھ سے کیا خطا ہوگئی۔ آپ نے ان کے فراق میں لاتعداد اشعار کہے جو بعد میں دیوان غریق کی صورت میں سامنے آیا' آخر کار وہ غم و فراق کی راتیں گزریں اور حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی زیارت کا سلسلہ بحال ہوا تو آپ نے ان سے عرض کیا کہ حضور مجھ بندہ گنہگار سے کونسی خطا ہوئی جو اتنی سخت سزا دی گئی' تو حضرت غوث الاعظم نے فرمایا کہ میں نے تیری طرف بہت رجوع کیا لیکن جب آتے تو تمہارے پاس سے تمباکو نوشی کی بو آتی تھی۔ اس لئے چلے جاتے تھے۔ یہ واقعہ کتابوں میں نہیں ملتا لیکن سینہ بسینہ چلتا آیا اور اپنے بزرگوں سے سنا ہے اس لئے تحریر میں لے آیا۔

دیوان غریق کے علاوہ بھی کئی دوسری کتابوں میں بھی حضرت شاہ ابوالمعالیؒ کے اشعار ملتے ہیں۔ آپ کی تصنیفات مندرجہ ذیل ہیں:

۱ تحفۃ القادریہ	۲ رسالہ شوقیہ	۳ مونس جان
۴ زعفران زار	۵ گلدستہ باغ ارم	۶ ہشت محفل ترتیب سید محمد باقر
۷ روضۃ الاوراد	۸ اصول صوفیا	۹ رسالہ نوریہ

تمام کتابوں کے (فارسی) زبان نسخے پنجاب یونیورسٹی و دیگر لائبریریوں میں محفوظ ہیں، جن میں سے تحفۃالقادریہ، مونس جان، زعفران زار، گلدستہ باغ ارم اور ہشت محفل اردو میں ترجمہ ہو چکی ہیں، آپ کی غربتی تخلص رکھنے کی ایک وجہ اپنے ایک شعر میں یوں بیان کرتے ہیں۔

ازان شد غربتی نام من سر گشته و حیران — که هر ساعت بسیر ملک عشقش غربتی دارم

سلسلہ قادریہ کے متعلق لکھتے ہیں۔

این سلسله جو هست هر باب پسند — دیسته درد بشوق ارباب پسند
هر کسی که درین سلسله دست زده است — انداخته بر کنگره عرش کمند

رباعیات

یا رب ذدو کون بی نیازم گردان — وزافسر فقر سر فرازم گردان
در راه طلب محرم رازم گردان — زان راه که نه سوی تست بازم گردان

هش طلبی زهیچ کس هیش مباش — چون مرهم موم باش و چون نشین مباش
خواهی که زهیچ کس بتوید نه کد — بد گوی و بد اموز و بد اندیش مباش

جهد کن تا شاخ و بیخ دشمنی — از درون باغ جانت بر کنی
لیک باشی محو دلبر هم چنان — یاد ناید دوستی و دشمنی

نیست در زاهد مسکین بوس سبز خطان — سبزه کم روید آن جا که زمین شور است

غوبتی سو معه بگزر رو سوئے میکده آئی   زاہد ما است که اوزنده کنون در گوراست

اشعار

۱ اصل کار صوفیاں کم خواری است   ذکر و فکر و خلوت و بیداری است

۲ عاقلاں درکار خویش و عاقلاں درکار دوست   عاشقاں زیں میر دو فارغ محو در دیدار دوست

۳ از درون شو آشنا   و از بیرون بیگانه شو

۴ در گزر از علم و عقل خویشتن   باش ساکت پیش رب ذوالمنن

۵ خاک شو مردان حق زازیر پا   خاک کی برسو بوا رابیم چون ما

۶ باراں کی شود سرسبز سنگ   خاک شو تاگل بروید رنگ رنگ

ٹھٹھہ کے ملاں نیازی سے ملاقات

حضرت شاہ ابوالمعالیؒ نے دہلی کے علاوہ ٹھٹھہ کی طرف تن تنہا سفر کیا جہاں مرزا خانی ترخانی کا دور امارت تھا۔ آپ اس علاقہ کے علماء و فقراء کی مجالس میں بیٹھے' ان سے مختلف مسائل پر سیر حاصل گفتگو ہوئی' ان سے فراغت کے بعد ملاں نیازی سے بھی ملنے کا اتفاق ہوا جس کے متعلق کہا جاتا تھا کہ وہ تمام علوم کا ماہر ہونے کے ساتھ ساتھ روشن طبع اور نقاد فطرت کا مالک تھا۔ نظم اور نثر میں بہت سی کتابیں لکھی تھیں' اعلیٰ درجہ کا شاعر تھا' جہاں کہیں بھی اسے کسی بڑے صاحب علم کا پتہ چلتا وہ اس کے پاس پہنچ جاتا اور اس سے سند پاتا' چنانچہ اس نے آپ کی خدمت میں نئے مضمونوں کے حامل اشعار پڑھ کر سنائے لیکن آپ نے فرمایا کہ ملاں کی صحبت ان کی شاعری سے زیادہ بہتر رہی۔

ملک الشعراء فیضی کے ہاں قیام

جلال الدین اکبر شہنشاہ ہند کے درباریوں میں ملک الشعراء فیضی کو بلند مقام حاصل تھا بلکہ اس کا اکبر کے نورتن میں شمار ہوتا تھا کیونکہ وہ اہل علم و فراست تھا۔ اکبر بادشاہ اس کی بہت قدر کرتا تھا اور مقرب خاص بھی تھا۔ فیضی نے جب حضرت شاہ ابوالمعالی کی درویشی کا چرچا سنا اور اشعار پڑھے تو وہ آپ سے بڑی عقیدت و محبت کرنے لگا۔ اکثر خط لکھتا تو آپ فیض کے خطوط کا جواب دیتے۔ خط و کتابت ہی سے وہ حضرت شاہ ابوالمعالی کی علمی حیثیت اور مقام سمجھ گیا تھا۔ جیسے جیسے وقت گزرتا گیا اسی طرح وہ ان سے ملاقات کیلئے زیادہ بے قرار ہونے لگا اور آپ سے ملنے کا اشتیاق بڑھتا گیا۔ جب کبھی بھی ملاقات کی خواہش ظاہر کرتا آپ کسی اور موقع پر موقوف کر دیتے۔ فیضی کے ایک خط کا ترجمہ کچھ اس طرح ہے:

مدت ہو چکی ہے کہ آپ کے مکارم و معالی (خوبیاں اور بلندیاں) کا دیباچہ قوت سامع کیلئے لذت کا سامان کر رہا ہے' جانے اور آنے کے موقع سے متعلق یہ سوچا تھا کہ محبت نامہ بھیج کر حجاب دور کروں لیکن چونکہ دل کو قرار نہ تھا اس لئے میں نے اس پر قرار نہ پکڑا۔ اب جب کہ آپ اس شہر (دہلی) میں ہوں' آپ کا قرب بھی میسر ہے' میں نے چاہا کہ آپ سے ملاقات کا وقت لوں' یہ بات آج اور کل پر پڑتی رہی' یہاں تک کہ آج بے اختیار ہو کر اپنے جذبہ شوق کو صد ملامتیں کیں اور یہ صحیفہ اشتیاق بے تکلفانہ روانہ کر دیا۔ تکلف برطرف اس حیات فانی کی کوئی بھی چیز چند لمحے جانی دوستوں کے ساتھ بسر کرنے کے برابر نہیں ہو سکتی۔

آپ نے بھی خط لکھا' ترجمہ اس طرح پر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا سے جس قدر بھی جلد ہو سکا پہنچوں گا۔ تحقیق یہ اس صاحب قدرت پر ہے۔

آخر کار فیضی کے مسلسل تقاضوں اور بار بار استدعا پر آپ اس کے گھر تشریف لے گئے' وہاں پہنچ کر انہوں نے اس کے کتب خانہ کو دیکھنے کے شوق کا اظہار کیا لہذا وہ آپ کے ہاتھ کو اپنے ہاتھ پر رکھے ہوئے کتب خانہ لے گیا اور جواہر معانی کے اس خزانے کو

پورے طور پر فیض اثر کے آگے رکھ کر باہر چلا گیا۔ فیضی نے دو تین شائستہ خدمتگار حضرت شاہ ابوالمعالی کی خدمت کیلئے مامور کئے۔ خود بھی دن میں حاضر ہوتا رہا اور کوئی نہ کوئی موضوع لے کر بیٹھتا۔ حضرت شاہ ابوالمعالی تین دن تک فیضی کے کتب خانہ میں مطالعہ میں مشغول رہے۔ اس دوران انہوں نے نہ تو زمین پر پہلو رکھا اور نہ پاؤں دراز کئے' نہ کچھ کھایا' نہ پیا اور حاجت کیلئے بھی پاؤں باہر نہ رکھا۔ جب کھانے کے طشت لائے جاتے اس وقت آپ انگشت مبارک منہ پر رکھتے اور اللہ زیادہ دے' فرما دیتے۔ تیسرے دن فاتحہ پڑھا اور رخصت ہوئے۔ اس موقع پر فیضی ایک عدد کھیس لایا اور آپ کے دوش مبارک پر ڈال دیا اور بولا کہ اسے قبول فرمائیں۔

اس ملاقات کے بعد بھی ان کے درمیان خط و کتابت جاری رہی۔ ایک مرتبہ جب آپ کو معلوم ہوا کہ فیضی کے والد کا انتقال ہو گیا ہے تو آپ نے اپنے بیٹے سید محمد صادق کو فیضی کے والد کی وفات پر فاتحہ خوانی کیلئے بھیجا اور ہمراہ تعزیت نامہ بھی لکھ بھیجا۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی کا ملنے آنا

حضرت شاہ ابوالمعالیؒ اس پائے کے بزرگوں میں سے تھے کہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی جیسے عالم' مفسر' شاعر اور صوفی کو ان سے والہانہ عقیدت تھی۔ شیخ صاحب نے اپنی کتابوں میں اس عقیدت کا اظہار کیا ہے۔ آپ سے اس قدر متاثر تھے کہ اپنے اندرونی حالات بھی آپ کے سامنے بیان کر دیتے اور آپ سے رہنمائی کی درخواست اور دعاؤں کیلئے التجا کرتے تھے۔ انہوں نے اتنے دور فاصلہ پر رہتے ہوئے بھی حضرت شاہ ابوالمعالیؒ سے بذریعہ خط و کتابت رابطہ قائم رکھا۔

ایک مرتبہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی درد غم و فراق سے نڈھال اور بے بس ہو کر اپنی مشکل کشائی کیلئے دہلی سے لاہور پہنچ گئے' لیکن ان دنوں آپ لاہور سے کہیں باہر تشریف لے گئے ہوئے تھے۔ شیخ صاحب چونکہ دہلی سے آئے تھے اور اتنی لمبی مسافت طے کر کے آئے تھے اس لئے وہ آپ کی واپسی تک ٹھہر گئے اور بزرگان دین کے مزارات پر

جاکر حاضری دی۔ جب شاہ ابوالمعالی واپس آئے تو فرمایا کہ ہمیں ابھی کچھ دیر باہر رہنا تھا' لیکن ہمارے دل میں ایک جذب و کشش پیدا ہوئی۔ شاید یہ جذبہ عشق تھا جو ہمیں واپس کھینچ لایا۔ آپ پہلے تو شیخ عبدالحق سے کچھ خفا ہوئے کہ آپ دہلی کو کیوں چھوڑ کر چلے آئے' تو انہوں نے جواب دیا کہ شیر گڑھ میں حضرت داؤد بندگی آپ کے مرشد کے آستانہ پر حاضری دینا چاہتا تھا اور اوچ میں مخدوم زادوں' پیرزادوں و حضرت غوث الاعظم کی زیارت سے مشرف بار ہونا چاہتا تھا لیکن حضرت شاہ ابوالمعالی نے فرمایا کہ وہاں جانے کی ضرورت نہیں' بس تم دہلی جاؤ کیونکہ دہلی تمہارے فراق میں نالاں ہے۔ پھر کہا کہ حضرت غوث الاعظم نے تمہارے متعلق یہ جملہ فرمایا ہے: حقت حقانیت حق حقت فروانیت 'پھر فرمایا از تصنیفات شما فائدہ دین و دنیا حاصل کردہ ایم' حق تعالیٰ شمارا بارن منتفع گرداند' اگرچہ سخنان مردم بسیار خواندہ ایم و خواندہ می شود' اما سخنان شمار اور فقیر گورانی است کہ سخنان مردم دیگر رانیست۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی آپ کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے دہلی تشریف لے گئے۔ شیخ صاحب اپنے بیٹے کو لکھتے ہیں کہ حضرت شاہ ابوالمعالی لاہور سے فوراً دہلی چلے جانے پر مصر تھے لیکن میرے نفس بے ثبات میں تردد و تزلزل تھا' مگر جب ان کی طرف سے تاکید و تائید اور تسلی ہو رہی تھی اور پھر جب ایسا باکمال محض محض محبت و اخلاص سے بے غرض اور بے عوض اتنا کچھ میرے لئے چاہتا ہو تو کون ایسا سنگ دل ہوگا جو نرم نہ ہو جائے۔ ان کی صحبت کا اثر جو میرے ظاہر و باطن پر چھایا ہوا ہے وہ احاطہ تحریر میں نہیں آسکتا۔ وداع ہوتے وقت حضرت شاہ صاحب نے فرمایا: توجہ خود بجانب حضرت غوث الاعظم درست دارید و از ہمہ کس قطع کنید' ہمہ چیز خواہد شد۔ پھر فرمایا کہ شرح مشکوۃ کو مکمل کیجئے' انشاء اللہ ایسی کتاب ہوگی کہ اہل علم اس سے مستفید ہوں گے۔ شرح مشکوۃ ۱۰۱۹ھ سے ۱۰۲۵ھ کے درمیان پایۂ تکمیل کو پہنچی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شاہ ابوالمعالیؒ کے ساتھ شیخ صاحب کی ملاقات ۱۰۲۲ھ یعنی وفات سے دو سال پہلے ہوئی ہوگی۔ حضرت ابوالمعالیؒ نے ہی ان کو حکم دیا کو فتوح الغائب مصنفہ غوث الاعظم را ترجمہ

باید کرد و شرح باید نوشت و ہم کار ہارا باید کرد۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے کچھ عرصہ بعد ہی حضرت شاہ ابوالمعالی کی بیماری کا حال سنا تو تڑپ اٹھے، لیکن حضرت شاہ ابوالمعالی کے حکم کی پابندی اور بجا آوری کا خیال آتے ہی خاموش ہوگئے۔ حضرت شاہ صاحب سے حضرت شیخ کو اتنی عقیدت تھی کہ شہر لاہور کی خاک بھی انہیں دل و جان سے زیادہ عزیز تھی۔

مولانا عبدالقادر بدایونی

مولانا عبدالقادر بدایونی حضرت داؤد بندگی کے مرید صادق الیقین تھے۔ وہ ان کی خدمت میں رہے جہاں ایسی چیزیں دیکھنے اور سننے میں آئیں کہ جن کا وہ گمان بھی نہیں کرسکتا تھا اس نے ترک دنیا کی اور گدی پر جاروب کشی کی اجازت چاہی لیکن حضرت رضامند نہ ہوئے اور کہا کہ اب تم ہندوستان چلے جاؤ' وہ واحد مورخ ہے جس نے حضرت داؤد بندگی کے حالات و واقعات نہایت صحت اور درستی سے اپنی تصنیف "منتخب التواریخ" میں ضبط تحریر میں لاکر عوام کو روشناس کرایا ہے۔ ان کی بھی حضرت شاہ ابوالمعالی سے خط و کتابت ہونا ثابت ہے۔ وہ آپ سے گہری عقیدت رکھتے تھے۔ انہوں نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ حضرت شاہ ابوالمعالی حضرت داؤد بندگی کے بھتیجے اور مرید تھے' وہ نجیب الطرفین سید تھے' اعجاز و دستوخ میں کامل دستگاہ رکھتے تھے' سلسلہ قادریہ کے درویش تھے' ۳۰ سال کی محنت و ریاضت شاقہ کے بعد وہ لاہور شہر میں سکونت پذیر ہوئے' چونکہ مولانا عبدالقادر بدایونی کی حضرت شاہ ابوالمعالی کے ساتھ خط و کتابت تھی' ان میں سے ایک خط اپنی تاریخ منتخب التواریخ میں عوام الناس کیلئے نقل کیا ہے۔

حضرت غوث الاعظم سے عقیدت

حضرت شاہ ابوالمعالی اپنے پیر کی بیعت کی وجہ سے سلسلہ قادریہ سے منسلک ہوئے

کے بانی حضرت غوث الاعظم میراں محی الدین عبدالقادر جیلانی "حسنی و الحسینی تھے۔ ان
کمال درجے کی ارادت اور اخلاص تھا۔ آپ نے ان کے عشق میں مستانہ وار ہوکر
ان مجنوں کا رخ کیا۔ کئی سال تک آبادی کو چھوڑ کر بیابانوں اور جنگلوں میں پھرتے
ے اور اپنے محبوب کے فراق میں بہت سے اشعار کہے۔ ان میں سے چند آپ کیلئے نقل
جاتے ہیں۔

بادشاہی و جہاں را قادری
غیر تو کسی را قادری

تشنہ لب گریاں سوئے آن بحر عرفاں میردم
سر زدہ چون سیل اشک خور باصفاں میردم

پا بخار و خادہ در راہ فنا بر بوئے از
گشتہ ام دیواں در گریاں و خنداں میر دم

حاجتے بغداد و گیلانم ز شوق حضرتش
کہ سوئے بغداد و گاہے سوئے گیلاں میر دم

ہم عرب شد ہم عجم صید تو اے ترک عجم
براسیر خویش رحمی کن کہ حیران میردم

باسگان کوئے او عقد محدث بستہ ام
ہر دم از راہ وفا سوئے محبان میردم

غرقی سرو وز خضرے مبارک بے کجا است
تاشوز رہبر کہ سوئے آب حیران میردم

شعر غرقی اگرچہ ندید است بظاہر رخ تو

ہست در عشق تو سرگشتہ جو ویس قرنی۔

ترجمہ: اے محبوب میں نے بظاہر تیرے حسن و صورت کو نہیں دیکھا' تو بھی میری طرف دیکھ کہ میں تیرے عشق میں خواجہ اویس قرنی، کی مانند حال زار ہوں۔

حضرت شاہ ابوالمعالی کے عشق و محبت کی منزل جب انتہا درجہ تک پہنچ گئی تو آپ شب و روز اپنے محبوب غوث الاعظم کے نام پاک کے وظیفہ میں مشغول رہنے لگے' جیسے کہ آپ کے اس شعر سے ظاہر ہوتا ہے۔

جز دم قادریم بست بخاطر حاضر بست بر خز و نشتم بزبان یا قادر

ان کی تحریر کا ہر لفظ عقیدت اور محبت کے جذبات سے معمور نظر آتا ہے۔ آپ کی پرخلوص اور سچی عقیدت ان کے شعروں سے عیاں ہے۔ آپ کی بے پایاں محبت کی وجہ سے حضرت غوث الاعظم کو بھی آپ سے کمال عنایت و شفقت تھی۔ وہ آپ کو روحانی امداد پہنچایا کرتے تھے۔ آپ کی والہانہ محبت اس شعر سے ظاہر ہوتی ہے جو آپ دعا کے وقت پڑھتے تھے۔

اے خدالے ستن میرا انجام کار زندہ و مردہ بعشق پیر دار

ترجمہ: اے میرے خدا میرے معاملات کا اختتام یوں ہو کہ زندہ بھی اور مرکر بھی اپنے مرشد کے عشق میں رہوں۔

یہ بات حضرت شاہ ابوالمعالی کے متعلق مشہور تھی کہ ان کو حضرت غوث الاعظم سے ایسا توسل و قرب حاصل تھا کہ وہ خواب میں آکر ان کی رہنمائی فرماتے۔ دینی و دنیاوی مشکلات کو حل فرماتے تھے' آپ نے حضرت غوث الاعظم کی مدح میں بہت سے ابیات عاشقانہ اور مستانہ وار اشعار کہے ہیں جو جناب اقدس کے طالبوں کیلئے تازگی روح اور محبوں کے دلوں سے زنگ دور کرنے والے ہیں۔

آن ترکی عجم چون ذی حسن عرب کرد — بر پشت سمند آمدہ و صید عرب کرد
چون کا کل ترکانہ بیدا خت زمستی — غارت گری کوفہ و بغداد و حلب کرد
خوبان کہ زخوبی چوگل و سبزہ نمودند — از ناز ہمہ زیر قدم کرد عجب کرد
آن ماہ چہ ماہی واہ شاہی کہ از عشق — ہر غمزدہ یافت از دہر چہ طلب کرد
داری خبر اے شہ جیلی کہ معالی — دربار تو القادر قادر ہمہ شب کرد

ترجمہ: وہ عجمی ترک یعنی محبوب جب حسن کی شراب سے سرشار ہوا' تو سمند یعنی اصیل گھوڑے پر آیا اور اس نے عرب کا شکار کیا۔
جب اس نے مستی کے عالم میں ترکوں ایسی زلفیں جھٹکیں تو کوفہ بغداد اور حلب کو لوٹ لیا۔
وہ حسین جو حسن میں گل و سبزہ کی طرح دکھائی دیتے تھے ان سب کو اس نے ناز سے قدموں تلے روند ڈالا' اس نے عجب کام کیا۔
وہ چاند کیسا چاند اور کیسا بادشاہ ہے کہ عشق کی بدولت اس سے ہر غمزدہ نے وہ کچھ پایا جو چاہا۔
اے سلطان جیلان تجھے معالی کی خبر ہے کہ جس نے تمام رات تیری یاد میں القادر قادر کا ورد کیا۔

رباعی

یا رب بحق جمال عبدالقادر — یا رب بحق کمال عبدالقادر
بر حال ابوالمعالی زار وضعیف — رحمی کن و دہ وصال عبدالقادر

ترجمہ: اے میرے پروردگار بے مثال اس جمال پاک غوثیہ کی طفیل اور تمام مخلوق کے پالنے والے حضرت عبدالقادر کے کمال لازوال کی طفیل ابوالمعالی کے حال زار وکمزور و ناتواں پر رحم کر اور اپنے محبوب عبدالقادر کے وصال باکمال کا شرف عطا فرما۔
بعض لوگوں کے خیال میں انسان اپنی عقل کے ذریعہ سے آزادانہ روش اختیار کر سکتا ہے لیکن عاقل کیلئے ہر بات میں قید ہے نہ آزادی' مگر عشق کی مستی میں آزادی ہے کہ جہاں عقل کی

ضرورت ہی نہیں۔ جیسا کہ آپ فرماتے ہیں۔

عقل ہر چند احسن است ولے الذرین زہ جنوں خوبی است
غرضی عقل راہ نمی خواہم زانکہ انارگی بمجذوبی است

ترجمہ یعنی ہر بات کے فرق کرنے کیلئے انسان کے واسطے ہر چند عقل بہتر ہے۔ لیکن محبوب کے عشق میں مستی بہت بہتر ہے۔ اے میرے نام و لقب میں عقل کو نہیں چاہتا اس لئے کہ آزادی کثرت محبت اور مجذوبی میں ہے۔

کرامات

کچھ چیزیں ایسی ہیں کہ جن کو عام عقل اور عام انسانی قوت انجام نہ دے سکے اور بعض علمی طور پر بالکل ہی ناممکن الوقوع باتیں ہوتی ہیں جو انسان کو حیران کر دیتی ہیں۔ عرف عام میں ایسا عجیب و غریب حیرت انگیز کام جو عام حالت میں ناممکن ہو اور نبی سے ہو تو معجزہ اور کسی اللہ والے کامل مرد ولی سے صادر ہو تو کرامت کہلاتا ہے۔ اکثر خداوند کریم کے نیک بندوں سے کرامات کا ظہور ہوتا رہا ہے۔ کچھ ولی پوشیدہ ہوتے ہیں اور اپنے آپ کو ظاہر نہیں کرتے کیونکہ وہ کرامات کے ظہور کو غیر ضروری خیال کرتے ہیں بلکہ مضر سمجھتے ہیں اس لئے کرامات کے معاملہ میں گریز کرتے ہیں۔ جو کچھ ان سے ہوتا ہے محض الہام غیبی سے صادر ہوتا ہے۔ جب تک حکم الٰہی نہ ہو وہ اپنی زبان نہیں کھولتے۔ ان کا ہر فعل بحکم خداوندی کی اطاعت میں ہوتا ہے۔

حضور نبی اکرم ﷺ سے جب کافروں نے کہا کہ وہ آپ کو اس وقت خدا کا نبی تسلیم کریں گے جب وہ چاند کے دو ٹکڑے کر کے دکھائیں گے' آپ نے چاند کی طرف انگلی سے اشارہ کیا اور چاند حکم سردار انبیاء کی تعمیل میں دو حصوں میں تقسیم ہوگیا۔ تو یہ ناممکن بات نبی سے ہوئی اس لئے معجزہ کہلایا' پھر جب سرور کائنات مولا علی شیر خدا کے زانوں پر سر رکھے مسجد میں سو رہے تھے تو نماز عصر کا وقت ختم ہوگیا یعنی سورج غروب ہوگیا' ایک طرف حضور کو نیند سے بیدار کرنا' آرام میں خلل ڈالنا تھا' دوسری طرف حکم الٰہی کی بجا آوری تھی' اس لئے خاموش رہے کہ حضور بیدار ہوئے تو مولا علی کو کچھ پریشان

پایا' وجہ دریافت کی تو انہوں نے عرض کیا کہ حضور آپ کو نیند سے بیدار کرنا مناسب نہ سمجھا اور نماز عصر قضا ہوگئی' آپ نے سورج کو واپس عصر کے مقام پر آنے کا اشارہ کیا' سورج واپس لوٹ آیا اور جناب علی نے نماز عصر ادا کی' یہ بھی معجزہ ہے۔

اگر نبوت کے ظہور سے پہلے کوئی ایسا کام ہوا ہو تو وہ ارہاص ہے۔ جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا پیدا ہونا۔ پھر پیدا ہوتے ہی وہاں کے لوگوں سے خطاب کرنا کہ میں نبی ہوں اور اہل کتاب ہوں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عصا کا فرعون کے دربار میں اژدہا بن جانا اور دوسرے سانپوں کو کھا جانا' پھر عصا بن جانا۔

اصحاب کہف کا واقعہ جس کا ذکر قرآن مجید میں بھی آیا ہے کہ اصحاب کہف نبی نہیں تھے بلکہ بنی اسرائیل کے ولی تھے جن کی تعداد آٹھ بتائی گئی ہے۔ ان کے نام یہ ہیں:

املکسلینا' ۲یمینا' ۳ مرطونس' ۴ بے نونس' ۵ ساری نونس' ۶ زونوانش' ۷ کشفیط' ۸ طنونس

ان کے ہمراہ ایک کتا بھی تھا جس کا نام قطمیر تھا۔ کہتے ہیں جب اصحاب کہف دقیانوس بادشاہ سے تنگ آگئے تو انہوں نے شہر کو چھوڑا اور کسی دوسری جگہ چل دیئے تو اس وقت کتا (قطمیر) بھی ان کے پیچھے ہولیا۔ انہوں نے کتے کو ڈرایا' کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ اس کی وجہ سے پکڑے جائیں' لیکن وہ وہاں سے نہ بھاگا' بلکہ اصحاب کہف کے پیچھے پیچھے کچھ فاصلہ پر چلتا رہا۔ لیکن بادشاہ کی فوج ان کو تلاش کرنے کیلئے نکل آئی تاکہ ان کو پکڑ کر بادشاہ کے حضور پیش کیا جاسکے۔ جب اصحاب کہف کو بادشاہ کے آدمیوں کے بارے میں علم ہوا تو وہ فوراً ایک پہاڑ کی غار میں داخل ہوگئے اور وہاں چھپ گئے' کتا بھی پیچھے پیچھے آیا اور غار میں چھپ گیا۔ اصحاب کہف غار میں تین سو نو برس سوتے رہے اور وہ کتا بھی اپنی کلائیاں پھیلائے ہوئے غار کی چوکھٹ پر سویا رہا۔ جب اصحاب کہف بیدار ہوئے تو کتا بھی جسم جھٹکتا ہوا اٹھا۔ اب کھانے پینے کی خواہش ہوئی۔ لہٰذا وہ غار سے باہر نکلے' شہر پہنچے' اشیاء ضروریات خریدنے لگے تو معلوم ہوا کہ دقیانوسی بادشاہ کے سکے بیکار ہو چکے ہیں کیونکہ اس کے بعد کئی حکومتیں بدل چکی تھیں۔ یہاں غور کرنے کی یہ بات ہے

کہ اصحاب کہف تو اللہ کے نیک بندے تھے' عبادت گزار تھے کہ اتنا عرصہ بغیر غذا کھائے زندہ رہے' زمین کا ان کے جسموں کو نقصان نہ دینا اور کتے کا بھی زندہ رہنا کرامت ہے لیکن دوسری طرف ذہن میں یہ بات آئی کہ اصحاب کہف تو ولی تھے لیکن کتے میں ایسی کون سی بات تھی کہ وہ بھی اتنا عرصہ غار میں پڑا رہا اور اسے بھی کسی شے نے نقصان نہ پہنچایا۔ وہ تو ایک نجس یعنی ناپاک جانور ہے جس چیز کو وہ سونگھ لے ہم ناپاک خیال کرتے ہوئے ضائع کردیتے ہیں لیکن اس کتے نے کونسی عبادت کی اور نیک اعمال کئے یا کونسا ایسا کام کیا کہ بغیر کھائے پیئے زندہ رہا۔ میری سمجھ میں ایک ہی بات آئی کہ ولیوں کی پیروی میں پیچھے پیچھے چلنا اللہ کو پسند آگیا اور اصحاب کہف کی طفیل اسے زندہ رکھا۔ لہذا اس سے نتیجہ یہ نکلا کہ چاہے ہم کتنے ہی گنہگار کیوں نہ ہوں' بد اعمال ہوں' جب کتے میں ایسے کمالات پیدا ہوسکتے ہیں کہ ولیوں کی محبت میں ان کے پیچھے آنے کی وجہ سے بلند مرتبہ ہوجاتا ہے تو انسان اس مقام پر کیوں نہیں پہنچ سکتا۔ اللہ کے بندوں' ولیوں سے محبت رکھنے اور ان کی پیروی کرتے ہوئے وہ کچھ حاصل کرسکتا ہے جہاں انسانی سوچ بھی نہیں پہنچ سکتی۔

اللہ کے فضل و کرم سے مسلمانوں میں ابھی تک ایسا کوئی نہیں پیدا ہوا جو معجزات کا انکار کرتا ہو۔ البتہ بہت سے ایسے لوگ ہیں جو کرامات اولیاء اللہ کے منکر ہوگئے ہیں' خصوصاً زیادہ مغربی تہذیب کے زیر اثر آنے والے لوگ کہتے ہیں کہ یہ ساری کرامات گھڑے ہوئے قصے اور کہانیاں ہیں۔ یہ تو صرف اپنے بزرگوں کی بزرگی کا رعب جمانے کیلئے لوگوں کو جھوٹ کے پلندے سنا دیتے ہیں حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ اوپر کے واقعہ سے کرامات کا ہونا ثابت ہے اور جس چیز کا ذکر قرآن مجید میں ہو بھلا ہم کیسے انکار کرسکتے ہیں۔ وہ تو ہمارے ایمان کا حصہ ہے۔

میری توجہ بار بار اس کتے پر ہوئی جو نجس ناپاک جانور ہے' کوئی عبادت نہیں کرتا ہے' سزا جزا کا اسے تصور تک نہیں' صرف اس کا ایک فعل یعنی اولیاء اللہ کی محبت میں جہاں وہ رکے وہ بھی رک گیا اور جہاں وہ سوئے وہ بھی سوگیا' شاید قدرت اس کو اس کا یہ فعل پسند آگیا ہے۔ یہ اصحاب کہف کی محبت ہے جس کے نتیجے میں اس کتے کا ذکر اتنا

بلند ہوا کہ قرآن مجید میں آیا ہے۔

مفتی غلام سرور لاہوری اپنی کتاب حدیقۃ الاولیاء میں تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت شاہ ابوالمعالی کی ادنیٰ کرامت یہ تھی کہ جو کوئی بھی آپ کا مرید ہوتا وہ بیعت کرنے کے بعد رات کو خواب میں حضرت غوث الاعظم میراں محی الدین عبدالقادر جیلانیؒ کی زیارت سے مستفید ہو جاتا تھا۔

ایک دن ایک شخص آپ کے پاس اونٹ پر آیا' اونٹ کو بٹھا کر خود عرض کی کہ اس نے قرآن مجید قلمی تحریر کیا ہے اور چاہتا ہوں کہ جہاں جہاں کوئی غلطی ہو آپ دیکھ کر تصیح یعنی درستگی فرمادیں۔ آپ نے اس شخص سے کہا کہ قرآن مجید کہاں ہے' اس نے بتایا کہ اونٹ پر لاد کر لایا ہوں اور وہاں ہی قرآن مجید کو رکھا ہے جو جسامت میں کافی بڑا تھا۔ آپ نے قرآن مجید پر ہاتھ پھیرا اور کہا کہ جہاں جہاں لفظوں پر نشان لگا ہو گا ان کو درست کرلینا۔ جب اس شخص نے قرآن مجید کو کھولا تو دیکھا کہ جہاں کہیں غلطی کتابت ہوئی وہ لفظ نشان زدہ تھا۔

ہندو جوگی کو راہ راست پر لانا

حضرت شاہ ابوالمعالیؒ شیر گڑھ سے جب لاہور تشریف لائے تو آپ نے موضع قلعہ گجر سنگھ کے قریب ایک اونچے ٹیلے پر قیام کیا جہاں ان کا اب مزار ہے' بعد میں لوگ مزار کے گرداگرد آباد ہو گئے اور یہ آبادی ان کے نام سے منسوب ہوگئی۔ اس زمانے میں وہاں زراعت ہوتی تھی' کھلی جگہ تھی' کنوئیں بھی تھے' ہندو گوالے آباد تھے' کیونکہ ان کو اپنے مویشیوں کیلئے چارہ با آسانی مل جاتا تھا ان میں زیادہ لوگ دودھ بیچ کر گزر اوقات کرتے تھے۔ لاہور شہر بارہ دروازوں پر محیط تھا جو اس جگہ سے قریب تھا۔ ان کو شہر دودھ پہنچانے اور فروخت کرنے میں بھی سہولت تھی۔ وہاں ایک ہندو جوگی جو جادوگر کے نام سے مشہور تھا بھی رہتا تھا۔ تمام گوالے اس سے ڈرتے تھے۔ وہ ان گوالوں سے جبراً دودھ بغیر قیمت لیتا تھا۔ اگر کوئی دودھ نہ دیتا تو وہ اس گوالے کی بھینس کا دودھ جادو سے بند کردیتا

تھا' جانور بیمار ہو جاتے تو دودھ کی جگہ خون نکلنے لگتا۔

ایک روز ایک عورت وہاں سے گزری تو اس کی نظر ان کے نورانی چہرے پر پڑی' تو اسے خیال ہوا کہ یہ کوئی بھی بھگوان کا بھگت ہے' اپنی بھینس کی بیماری کی وجہ سے پریشان تھی کیونکہ دودھ کی جگہ خون آتا تھا اس نے آپ سے التجا کی کہ بھگوان کیلئے میری بھینس کو ٹھیک کر دیں۔ آپ نے اسے آٹے کا ایک پیڑا لانے کو کہا' جب وہ لائی تو آپ نے دم کرکے اسے واپس لوٹا دیا اور کہا اپنی بھینس کو کھلا دے۔ انشاء اللہ وہ ٹھیک ہو جائے گی اور آئندہ کبھی بیمار نہ ہو گی۔ اس عورت نے ایسا ہی کیا' بھینس اچھی بھلی ہو گئی۔ پھر وہاں جب بھی کسی کی بھینس یا گائے بیمار ہوتی تو وہ لوگ سیدھے حضرت شاہ ابوالمعالی کے پاس آتے اور پیڑا دم کروا کر اپنی بھینس یا گائے کو کھلا دیتے۔ آہستہ آہستہ وہاں سب لوگوں کو پتہ چل گیا کہ یہاں ایک مسلمان بزرگ اللہ والا ہے جس کی دعا سے کوئی مویشی بھی بیمار نہیں ہوتا لیکن دوسری طرف ان لوگوں نے ہندو جوگی کو دودھ دینا بالکل بند کر دیا اور اس کا جادو بھی بے اثر ہو کر رہ گیا۔ اسے بہت رنج ہوا کہ کوئی ہے جس نے میرے جادو کو ختم کرکے رکھ دیا۔ آخر کار پتہ لگانے پر اس کو معلوم ہوا کہ کوئی شاہ ابو المعالی نام کا آدمی ہے' وہ یہاں آیا ہے۔ وہ غصے سے لال پیلا ہو گیا اور حضرت شاہ ابوالمعالیؒ کے پاس پہنچا۔ اس وقت آپ تسبیح کر رہے تھے اور ذکر میں مشغول تھے' ہندو جوگی بڑے رعب میں بولا تو مجھے جانتا نہیں میں تمہیں اپنے جادو منتروں سے راکھ کر دوں گا' تو نے میرے علاقہ میں جرات کیسے کی اور میرا دودھ بند کروا دیا۔ آپ بالکل خاموش رہے اور اس کی بکواس پر کوئی توجہ نہ دی۔ ہندو جوگی نے جنتر منتر پڑھنے شروع کئے' جب اس کے تمام حربے ناکام ہو گئے تو آپ نے نگاہ اوپر اٹھائی تو جوگی فضا میں بلند ہونا شروع ہو گیا اور ہوا میں معلق ہو گیا۔ آپ نے فرمایا کہ اب تمہیں سر کے بل زمین پر گراؤں گا اور تیری گردن ٹوٹ جائے گی' تو نے ناحق مخلوق خدا کو تنگ کر رکھا ہے' اور ان کے بے زبان جانوروں کو اذیت دیتا ہے۔ اب تم اپنا انجام دیکھو گے' جوگی پر خوف طاری ہو چکا تھا اور موت کے خوف سے کانپ رہا تھا' دونوں ہاتھ باندھ کر معافی کا طلبگار ہوا' آئندہ ایسا کرنے سے توبہ

کرلی۔ آپ نے اسے معاف کر دیا۔ فضا سے نیچے آتے ہی پاؤں پر گر پڑا اور مسلمان ہو گیا اور باقی زندگی ان کی خدمت میں وہاں ہی گزار دی۔ مرنے کے بعد دفن بھی ملحقہ قبرستان میں ہوا جس کی قبر پر سیاہ گنبد بھی تعمیر تھا' جادوگر کی قبر سے مشہور تھا۔

میں نے اس وسیع قبرستان کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ شام اور دوپہر کو وہاں سے گزرتے ہوئے خوف آتا تھا۔ اس میں جابجا بڑے بڑے پیلو (ون) کے درخت تھے۔ جو میرے دیکھتے دیکھتے کاٹ کاٹ کر ختم کر دیئے گئے۔ کچھ ویسے گر گئے۔ اس قبرستان میں اہل اللہ اور پاکباز مردوں اور خواتین کی قبروں کو اہل غرض لوگوں اور ناجائز قابضوں نے مسمار کر کے کچھ کو تو بیچ کھایا اور باقی پر بڑی بڑی اونچی عمارتیں تعمیر کر لیں اور اس جادوگر کی قبر کو دوسری قبروں کے ساتھ صفحہ ہستی سے مٹا دیا بلکہ یوں کیوں نہ کہہ دوں کہ زندوں نے دنیاوی ہوس و لالچ میں ان مرنے والوں کے نشانات کو مٹا دیا۔

محمدؐ کے آوے کو آگ نہ لگنا

شہر لاہور کے قریب باغبانپورہ کی بستی جو شہر سے تقریباً تین میل کے فاصلہ پر تھی وہاں محمدؐ نامی ایک کمہار رہتا تھا جس کا مٹی کے برتنوں کا وسیع کاروبار تھا' کافی نوکر رکھے تھے جو برتن تیار کرتے تھے' جب برتنوں کو آوے میں پکاتا تو آوے کو آگ لگانے سے پہلے خدا کی راہ میں خیرات کرتا' مسکین اور غربا کو کھانا تقسیم کرتا تاکہ ان لوگوں کی دعاؤں کی بدولت خداوند کریم اس پر کرم کرتے ہوئے تمام برتن ٹھیک پکا دے۔ دور دور سے لوگ وہاں اس دن آتے' اتفاق سے کچھ فقیر حضرت شاہ ابوالمعالی کے پاس کچھ دیر کیلئے ٹھہرے۔ انہوں نے آپ کو بتایا کہ آج محمدؐ کے آوے کو آگ لگنا ہے' وہاں کھانے پینے کا خوب انتظام ہے' آپ بھی چلیں' تو آپ نے فرمایا محمدؐ کے آوے کو آگ' یہ ناممکن ہے۔ تاہم وہ فقیر وہاں سے چل دیئے اور باغبانپورہ پہنچے' وہاں دیکھا کہ محمد کے آوے کو آگ نہیں لگ رہی۔ بڑے بڑے ماہر کمہار کوشش کرتے رہے کئی ترکیبیں اختیار کیں' لیکن کوئی جتن کارگر ثابت نہ ہوا' آگ آوے کو پکڑتی تو لوگوں میں کھانا تقسیم ہوتا لیکن سخت مایوسی کا

سامنا تھا' ان فقیروں کے دماغ میں حضرت شاہ ابوالمعالیؒ کے الفاظ گونجے کہ محمدؐ کے آوے کو آگ' یہ ناممکن ہے۔ تو انہوں نے محمدؐ کمہار سے کہا کہ موضع قلعہ گجر سنگھ میں شاہ ابوالمعالیؒ نام کا ایک درویش ہے' اس نے ہم سے کہا تھا کہ محمدؐ کے آوے کو آگ' یہ ناممکن ہے۔ جب اس نے فقیروں سے یہ بات سنی تو فوراً حضرت شاہ ابوالمعالیؒ کے پاس پہنچا اور ادب سے کھڑا ہو کر عرض کی کہ میرا نام محمدؐ ہے' مٹی کے برتن بناتا ہوں' لیکن آج میرے آوے کو آگ نہیں لگ رہی۔ اگر میرے برتن نہ پکے تو تباہ ہو جاؤں گا' میرا تمام سرمایہ ضائع ہو جائے گا' آپ اللہ سے دعا کیجئے' آپ نے فرمایا تو کتنا بدھو ہے' بھلا محمد ﷺ کے آوے کو آگ کیسے لگ سکتی ہے۔ اسے تو آگ چھو بھی نہیں سکتی۔ یہ سن کر کمہار بہت پریشان ہوا اور عرض کیا کہ حضور میں کنگال ہو جاؤں گا' کچھ تو میرے لئے سوچیں' آپ نے فرمایا ہاں ایک صورت کہ اگر تو اپنا نام تبدیل کر لے تو کچھ ہو سکتا ہے۔ اس نے عرض کی آپ جو بھی حکم دیں میں کرنے کو تیار ہوں' آپ جو چاہتے ہیں میرا نام تجویز کر دیں' آپ نے فرمایا کہ آج سے تمہارا نام بدھو کمہار ہوا۔ بدھو کے آوے کو آگ لگ جائے گی اور کہا کہ اب تو یہاں سے چلا جا' بدھو کمہار جب باغبانپورہ پہنچا تو آوے سے شعلے نکل رہے تھے۔ وہ بہت خوش ہوا۔ غریبوں اور مسکینوں کو خیرات دی اور خوب کھانا کھلایا اور اس طرح وہ آپ کے عقیدتمندوں میں شامل ہو گیا۔ بدھو کا آوا انجینئرنگ یونیورسٹی کے قریب سڑک کی دوسری جانب تھا۔ کافی اونچا ٹبہ تھا۔ اب وہاں آبادی ہو گئی ہے۔ بدھو کی قبر اب بھی سڑک کے کنارے پر موجود ہے۔ میرے نانا بزرگوار سید مہتاب شاہ صاحب اپنے زمانہ کے عالم تھے۔ عربی فارسی خوب جانتے تھے' خطیب ہونے کے ساتھ ساتھ شاعر بھی تھے۔ کئی کتابوں کے مصنف بھی تھے۔ فارسی' اردو اور پنجابی میں شعر بھی کہتے تھے۔ انہوں نے مقامات معالیہ' تحفۃ العالیہ' پوشاک نامہ' مدح حضرت شاہ ابوالمعالی' کرامت نامہ وغیرہ لکھیں۔ پنجابی ادب سے لگاؤ رکھنے والوں کیلئے کرامت نامہ میں جس طرح اس واقعہ کو نظم کیا گیا ہے تذکرہ حضرت شاہ ابوالمعالی میں شامل کر رہا ہوں تاکہ قارئین حضرات پوری طرح لطف اندوز ہو سکیں۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

کرامت نامہ

اول ہر دم رازق میتوں آکھاں حمد جباری   کن فیکون پیدا کیتی جس نے خلقت ساری
بعد درود محمدؐ تائیں سو سو وار پچاواں   نام محمدؐ صاحب اوتوں صدقے گھول گھماواں
آل اصحاب تے غوثاں قطباں ولیاں تے ابدالاں   ہر اک صاحب رتبہ والا بھیج درود سبحاناں
لیں تھیں پچھے سنو عزیزو حال کرامت سندا   ہو کر وچ کتاباں ڈٹھا عرض کرے ایہ بندا
جس دن شیر گڑھوں چل آئے حضرت شاہ ابوالمعالی   اوہو دن لاہور لگایا دین ولی دے والی
وچ لاہور ہوئی روشنائی جاگیا دین نبی دا   بہت کافراں پڑھیا کلمہ چہرہ دیکھ ولی دا
بہتیں پا کے فیض انہاں تھیں عالی رتبہ پائے   برکت فیض انہاں تے اللہ کئی ابدال بنائے
فخر نبی دے دین دا جس دن حضرت نے ورتایا   شاہ خیر الدین لقب انہاندا پھیر پنجاب لگایا
سب حال کراماتاں والا لکھے وچ وچ نہ آوے   پر اک حال کرامت سندا آکھ مثال سناوے
اوس زمانے اک سوداگر نام محمد اوس دا   ذات دا کمہار سدیندا اوچ لاہور دے وسدا
او کمہار بیوپاری آیا آوے تت پچھاوے   مل خریدن اس تھیں برتی شہر تی شہروں خلقت آوے
دو سالاں دے اندر اوہ کہ آوا تیار کریندا   نام خدا کچھ ونڈ فقیراں آوے نوں اگ دیندا
چنگا آوا نکلدا اوس دا آپ کھو بہاری   کئی ہزار منافع اونہوں آوندا سی ہر واری
جس زمانے شاہ معالی پیر شہر لاہور وسایا   اوس زمانے چیروں محمد آوا تیار چڑھایا
ملیا وچ لاہور محلہ درا خاطر سند مشکیل   اج محمد لا اگ آوے وڈی مال خزینہ
اس دن شہروں شوہے حاضر سب فقیر اکٹھے   صبح سویرے خوشیاں کردے آوے دے ول نٹھے
اک فقیراں دا ٹولا حضرت دے ول آیا   نال خوشی دے اونہاں فقیراں شاہ نوں آکھ سنایا
چلو حضرت اسیں بھی چلئے سارے کر کے دھائی   دو دریاں دے وچوں فقیراں اس پر چائی
اج محمد دے آوے نوں اگ لگسی سائیں   کرسی مالک بہت خیرات فقیراں تائیں
ایہہ گل سن کے حضرت شاہ فقیراں نوں فرمایا   ایہہ کم نیں ہتھیں واجب ویرا تساں سنایا
کدی محمد دے آوے نوں اگ نہ اثر کرسی   قیامت تیکر ایہو آوا نج سلامت رہسی
ایہہ گل کوڑی تساں فقیرو بیوری آکھ سنائی   ہر گز جھوٹے ہوون ناہیں وعدے نج الٰہی

ایہ گل سن کے حضرت شاہ تھیں کل فقر سدھارے   آپس اندر گلاں ای کردے رہندے وچ ایہ سارے

ایہ جو حضرت شاہ فرمایا یارو گل چنگارو   اس کہنے دا کی ہے باعث نال قیاس نتارو

کوئی کہے ایہ حضرت شاہ تھیں علت ہوندا بھائی   شاید مالک آوے نے چاہوندا تاریخ وکھائی

کوئی کہے ایہ دنیاں ناہیں ہوندی تر بھراؤ   ہر صورت اج اک نہ تکسی پھیرا ملت نہ پاؤ

کوئی کہے ایہ سنو فقیرو سن نوں جا سمجھایئے   کوئی کہے حزن نہ واجب جد تک ویکھ نہ آیئے

یاد رکھو جد عارف ہوئے ہوئے کے نکالے   عارف دی گل عارف سمجھے دوجا بھید نہ جانے

فیر ایہ عارف تارک دنیا حاجت انساں نہ کھائی   رکھن خواہش کے دی ناہیں بالکل جناب الٰہی

بپرواہی دے وچ حضرت شاید ایہ فرمایا   دنیا کوڑی ہے کوڑ پیدا انساں نظریں آیا

القصہ ایہ گلاں کردے اوہ فقیر تمامی   جا پہنچے جد اوس نکالے جتھے اوداہی

لگے آوے اوس چہ طرفی وجن چہ شادیانے   بے حساب نہ خلقت آوے رنگا رنگی پانے

ہٹ دکاناں انت نہ کوئی اوس آوے دے کردے   شہر دے دل مل پاکے وچ بازاراں پھردے

وچ میدان اس ڈیرے کرکے آوے دے منہ اگے   مالک آوے دی اوہ آپے ور تن تیغ لگے

انساں تھیاں پیچھے کرکے کجھ جگہ سی خالی   اوس جگہ وچ داخل ہوندے منگتے ہور سوالی

ایہ بھی فقیر اوتھائیں بیٹھے نال دلیری   اپنے نفس کٹے دی خاطر خواہش رکھ وڈیری

جان فیر وچ اوسے فقیراں سوا پہروں آیا   پھر آپ محمد آوے تک کے پھرا پایا

مر اک عاجز شوہدے ناہیں وس تحریرات کرکے   پھر جا اک نکلی اوسے بسم اللہ پڑھ کے

بل سوتا جدوں محمد آوے دے منہ اوتے   تکڑا پانی رکھ ٹھنڈا خود تھیں اک پھوکے

پھر بھی اثر نہ کیتا ہرگز آتش آوے ناہیں   ہو حیران کرے تدبیراں آوے دا اوہ سائیں

تپی داری پھر محمد فورا تیل منگایا   نال استادی کر تجویزاں آوے اوتے پایا

بل سوتا آپ محمد جاں اوس ڈیرے لیاوے   حکم تمام الٰہی فورا بالکل اوہ بجھ جاوے

کی کمہار استاد اوتھائیں اوہ بھی لا اک تھکے   پر اوس آوے ناہیں یارو ہرگز اگ نہ لگے

اوڑک ہار کھلوتے سارے پیش نہ کوئی جاوے   جو گل رب نہ بھاوے ہرگز کی کوئی کجھ بناوے

کل کمہار اکٹھے ہوکے ہر بھی انت خدائی   کول محمد آن کھلوتے ساری کرکے تمامی

ہو حیران کھلو اوس جگہ اس آوے دا سائیں   دو سالاں دی تکے محنت اینویں گئی اجائیں

سب کمہار محمد تاہیں ہو حیران پکارے   ایہ تقدیر الٰہی ورتی ہرگز کسے نہیں سارے

پھر اوہ فقیراں سندا ٹولہ جو سن تھیں آیا   آگے ہوکے انساں فقیراں سارا حال سنایا

فقیراں کہیا سئیں محمد ساڈی ایہہ گل پکی جس پاروں اس آوے تائیں ہرگز اگ نہ پکی
شیر گڑھوں ہو کامل سید آیا لس نکانے شاہ ابوالمعالی نام انہاں دا کل خدائی جانے
اج سویرے ترکے شہروں ایہیں فقیر تمامی پہلے خدمت انہاں دے وچ ہوئے آن سلامی
عرض کیتی سی اساں فقیراں اگے شاہ کرمانی اج محمد دے آوے نوں اگ لگ سی جانی
نال پھر اگوں حضرت ساڈوں ایہہ سی آکھ سنایا اس آوے نوں اگ نہ لگسی جے رب میرے چاہیا
ایہہ گل جانیں سچ محمد ہور قصور نہ کوئی ایہہ ازمودہ حضرت شاہ نے میتوں ٹھیک دتوئی
ہن جے لوڑیں توں جلیائی چل شتابی کرکے حضرت شاہ دی کر ارزوئی قدماں تے سر دھر کے
جد تک لوڑھن تائیں اس آوے دے تائیں ایہہ گل جانیں ٹھیک محمد اگ لگ سی نائیں
ایہہ گل جدوں فقیراں کولوں سن محمد ساری لے نذرانہ ٹکے پیہوں کیتی ترت تیاری
اگے اگے مالک آوے دا پچھے خلقت تمامی قصہ کوتہ حضرت شاہ دی ہوئی آن سلامی
چار چوفیرے حضرت شاہ دے خلقت بے حسابے مالک آوے دا قدمی ڈگا اگے نال شتابے
حضرت اگے رکھ نذرانہ عرض محمد کردا یا حضرت لو رکھ شتابی اس عاجز دا پردا
میں کمدار کمینہ عاجز تو سید کرمانی میں نالائق عاصی بندہ تو محبوب ربانی
تیں سر سایہ غوث الاعظم توں بندگی دا پیارا میں بے زر بے پرواں واہڑا خستہ حال بیچارا
سر صدقہ پیر محمد فاضل میں پہ کرم کماؤ میں عاجز دا رڑدا بیڑا شاہ جی بنے لاؤ
سن فریاد محمد سندی حضرت شاہ فرمایا کھول حقیقت دسیں تو کس مطلب آیا
کیتی عرض محمد مڑ کے اگے شاہ ولایت یا حضرت اس ویلے میں پہ مشکل بنی نہایت
میں کمدار بیوپاری حضرت پھاوڑے نت چاہندا اپنے پیشے وچ ہمیشہ ٹکڑا ساں کماندا
ہن میں دو تن سالاں اندر آوا پھر چڑھایا دے مزدوراں نوں مزدوری قرض بہت لیایا
یا حضرت اوس آوے نوں جاں اج اگ لگائی لگی اگ نہ ہرگز آوے رب دی بے پرواہی
ہن اک عرض ہے اتنی میری یا حضرت شاہ معالی تیں بن کت ول جاوے عاجز خستہ حال سوالی
چونکہ تساں زبان مبارک نال سی ایہہ فرمایا اگ محمد دے آوے نوں لگے نہیں خدایا
ایتھوں مہر کرم کر شاہ جی آکھو چا اک واری جلد محمد دے آوے نوں اگ لگے یا باری
جاں ایہہ گل مالک آوے کولوں حضرت سنیاں نال غضب دے چہرہ حضرت سرخی دے رنگ بنیاں
نال غصے دے بول شتابی حضرت نے فرمایا ایہہ کم ہوواں نائیں ہرگز جو توں آکھ سنایا
پہچان پاک محمد تائیں بھیج درود ہزاراں جیہڑے نام محمد آوے ٹھنڈ ہووے گلزاراں

ساری امت آوا اس دا اوہ آوے دا سائیں ۔ جلن نہ دیسی دوزخ اندر اوہ اس آوے تائیں

سر دتہ پھر امت بدلے خاص محمد جایاں ۔ میں اوہ کس کیکر آکھاں جاہل تیرہ کمایاں

دتا صاف جواب جاں حضرت پھیر محمد کہندا ۔ دیو تسیں جواب بے حضرت پکڑاں دامن کیندا

یا حضرت اوہ یا محمدؐ سرور دوہاں جہاناں ۔ میں عاصی بھی نام محمد کیندا کل زمانہ

آپ اس اندر کر پھیرا آکھو منگ دعائیں ۔ ایس محمد دے آوے توں اگ لگاوے سائیں

سن کے ایہہ گل حضرت شاہ نے مڑ کے ووٹی واری ۔ مالک آوے توں فرمایا ایہہ گل مشکل بھاری

دیوے زیب زبان نہ میری جو ایہہ گل بولاں ۔ اس وچہ بہت بے ادبی ہوندی کیکر منہ کھولاں

پھر تیرا اوہ نام میں لے کے وچہ جناب الہی ۔ عرض کریاں ہتھ اٹھا کے ایس کے خدائی

ایہہ قربان محمد سن کے مڑ پھر دوجی واری ۔ عرض کرے شاہ معالی اگے کرکے گریہ زاری

یا حضرت میں عاجز بندہ ہوکے بہت آزردہ ۔ آں ڈگا وچہ قدمیں تیرے توں صاحب میں بردا

اس ویلے کجھ ہوش نہ میتوں کی میں نام وٹاواں ۔ کیا جان کے نام میں رکھا جیہا آکھ سناواں

آپے ہو مختار یا حضرت نام رکھو جو چاہو ۔ کر کے مہر کرم دا پھیرا بیڑا بنے لاؤ

ایہہ سن اوس تمہیں حضرت شاہ نے غصے ہو فرمایا ۔ کیہا جاہل احمق ناحق کیوں میرے پاس توں آیا

اول جو کجھ کہیا سی توں اسم محمد تائیں ۔ بے میں قصہ روک نہ لیندا مردوں وچ اوٹھائیں

پھر حقیقت سن کے تیری رحم میتوں جد آیا ۔ نام وٹا کے وس اساتوں میں تیہا فرمایا

غیر بھی کہیں یاشد اللہ محمد تمیز نہ کوئی ۔ کی میں دوجا نام وٹاواں واہ چنگی ہوئی

ایہا کوڑہ عقل دا بدھو تو کمہار ناداتا ۔ نام بھی اپنا بدل نہ سکیں کی کر میں بچ جاتا

سن بات محمد مڑ کے کرے یا سائیں ۔ ایس ویلے کجھ خبر نہ میتوں میں وی دی تائیں

پہلو دی سماں سدھا سادھا جانے کل خدائی ۔ واہندی یاتی ہن آوے میرے سینے ہوش بھائی

اس کمہار کمینہ تائیں بچ بچ بدھو جانو ۔ مہر کرم دے میں حضرت جلدی تہوں تانو

سن ایہہ عرض محمد سن دی حضرت نوں رحم آیا ۔ خوش دل ہو پھر لوکاں تائیں حضرت شاہ فرمایا

خیال کرو ہن حاضر مجلس ہندو مسلم سارے ۔ ایہہ کمہار ہے بدھو جیہاں آپ زبانی پکارے

میں ہن بدھو دے حق اندر منگاں رب تھیں دعائیں ۔ آمین آکھو تسیں تمامی دیکھو رب جزائیں

ایہہ گل کرکے حضرت شاہ نے دونویں ہتھ اٹھا کے ۔ وچ جناب الہی کیتی عرض الحمد بجا کے

یا رباں توں خالق مالک ہر شے دا ہیں سائیں ۔ ایس بدھو دے آوے تائیں جلدی اگ لگائیں

منگ دعا جد فارغ ہوئے حضرت شاہ ابوالمعالی ۔ پھر فرمایا بدھو تائیں دیں دلی دے والی

جا بن جلدی میاں بدھو ویکھیں اپنا آوا   صدقہ پاک محمدؐ تینوں اللہ کرسی ساوا

آتی سن کے نال خوشی دے بدھو ہویا راہی   نالے ویکھیں فیر آوے نوں ہوئی کل خدائی

ووروں ہی جاں ڈٹھا بدھو اپنے آوے تائیں   دھواں دھار اوس آوے اتے اگے بلدا بھائیں

نیڑے جا پھر کل خدائی کر تصدیق پچھاتا   نال دعا محبوب ربانی کرم کیتا رب داتا

جاں فیر لوکاں یارو ڈٹھی ایہ کرامت نامی   خادم ہویا حضرت شاہ دا آن لاہور تمامی

بدھو بھی نال صدق صفائی بیعت کیتی شاہ تائیں   فانی فی اللہ باقی باللہ ہویا بدھو سائیں

پارس دے سنگ لوہا لگ کے سونا ہویا یارو   قیامت تیکر نام بدھو دا قائم رہسی شمارو

شہر لاہوروں چڑھدے ولے پھیر بدھو دا آوا   رہسی قیامت تیک سلامت ہویا بھریا ساوا

اس آوے نوں کیتا حضرت جنت بقیہ طلعی   اس احاطے وچہ دفن جو ہوسی ہوگ بہشت مکانی

واہ قربانی میں حضرت شاہ جاواں سو سو واری   جس کمہار کیتے تائیں بخشی نعمت بھاری

بخشی بہت بزرگی نالے بدھو نوں شاہ معالی   کچی مٹی نوں سونا کر دے صاحب رتبہ عالی

میں مختاب شاہ عاجز ناقص بندہ ہاں درگاہی   جس نے ایہ کرامت خاصی شاہ دی آکھائی

سن تیراں سو پندرہ ہجری اندر یارو ساری   کر کے ختم کرامت ایہ سب اگے نذر گزاری

کل آکھو مومن سارے منگو نیک دعائیں   اللہ صاحب رحمت بخشے ایس مصنف تائیں

حاجی حسین نامی ایک شخص حضرت شاہ ابو المعالیؒ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آکر عرض کیا کہ چند دنوں سے جن در پے آزار ہیں۔ بہت پریشان کر رکھا ہے۔ نہ کھانے دیتے ہیں نہ بیٹھنے اور نہ سونے۔ بار بار نجاست یعنی گندگی کے ڈھیر گھر پر والوں پر پھینکتے ہیں۔ کنکر و پتھر مارتے ہیں۔ زندگی تنگ کر دی ہے۔ لاہور کے اکثر درویشوں کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی داستان غم سنا چکا ہوں۔ لیکن ابھی تک کسی سے تدارک نہیں ہو سکا۔ کئی مرتبہ راتوں کو درویشوں ٹھہرایا۔ ان کو بھی نقصان پہنچا۔ آپ نے حاجی حسین سے کہا جاؤ۔ اگر اپنی حویلی میں جا کر بلند آواز سے کہو۔ کہ فقیر ابو المعالی کہتا ہے۔ اگر اس کے بعد تم نے کسی قسم کا نقصان پہنچایا۔ تو سزا پاؤ گے حاجی حسین نے اپنی حویلی میں جا کر اسی طرح کیا۔ اس وقت جنوں کا نشان تک نہ رہا۔ اور ان کو سکون نصیب ہوا۔

شہزادہ اورنگ زیب اور دارالشکوہ کا اولیاء کرام کے ساتھ رویہ

اورنگ زیب شہزادگی کے عالم میں تھا' ابھی ہندوستان کی بادشاہت نصیب نہ ہوئی تھی' جب اسے حضرت میاں میر صاحب کے بارے میں علم ہوا کہ یہاں لاہور میں ایک بزرگ درویش کا ڈیرہ ہے تو وہ اپنی شاہی شان و شوکت کے ساتھ ان کو ملنے گیا لیکن ان کے خادم نے جس کو حکم دیا گیا تھا کہ کسی کو میرے حجرے میں داخل نہیں ہونے دینا' اس نے اورنگ زیب کو روک لیا۔ اورنگ زیب کے ہمراہ دیگر امیر مشیر بھی تھے' اسے کچھ برا لگا۔ پھر بھی اسے اپنا تعارف کروایا کہ وہ بادشاہ ہند شاہجہان کا بیٹا اورنگ زیب ہے' تو خادم نے جواب دیا کہ میرے بادشاہ کا حکم ہے کہ کوئی اندر نہ آئے' جب کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی تو ان کے ایک مشیر نے اورنگ زیب کو مشورہ دیا کہ ملاقات کے بغیر جانا کسی طرح درست نہیں اور زبردستی اندر داخل ہونا بھی مناسب نہ ہے' تو اس نے خادم سے کہا کہ بھائی تم اندر جاؤ اور ہماری طرف سے عرض کرو کہ کچھ لوگ حاضری کیلئے آئے ہیں' خادم مان گیا' حضرت میاں میر صاحب کے پاس جاکر ان کیلئے اجازت چاہی تو آپ نے اجازت دے دی' لہٰذا اورنگ زیب اندر گیا اور بغیر توقف کے سوال کیا کہ ہم بادشاہ ہیں' زر و جواہر رکھتے ہیں' دشمن سے بچاؤ کیلئے حفاظتی دستہ رکھتے ہیں' ہمارے محلوں کے دروازوں پر پہرہ اور دربان ہوتے ہیں' آپ کو کس چیز نے مجبور کر رکھا ہے' آپ تو درویش ہیں۔ آپ کے پاس کون سے لال و جواہر ہیں جو کوئی لوٹنے آئے گا۔ آپ نے دروازے پر کس لئے پہرہ لگوا رکھا ہے۔ حضرت میاں میر صاحب نے جواب دیا کہ میں نے دنیا کے طلبگار کتوں کو اپنے سے دور رکھنے کیلئے دروازے پر دربان کھڑا کیا ہے' اورنگ زیب نے گفتگو کو بدلتے ہوئے کہا میں تو حاضر ہوا تھا کہ آپ کو کسی قسم کی یہاں تکلیف تو نہیں' ایک تھیلی جس میں نقدی تھی پیش کی' تو انہوں نے جواب دیا مجھے کسی قسم کی کوئی تکلیف نہیں اور نقدی والی تھیلی بھی نہ قبول کی۔ اس واقعہ کے تحریر کرنے کا مطلب یہ ہے

کہ ولی کی نظر بہت دور تک دیکھتی ہے اور جو وہ بات کرتے ہیں وہ ایسے نہیں ہوتی' تاریخ گواہ ہے کہ ہندوستان کا تخت حاصل کرنے کیلئے ولی عہد دارالشکوہ کو مارا' پھر دوسرے بھائیوں شجاع اور مراد کو ٹھکانے لگایا' اپنے باپ شاہجہان کو قید کیا جو قید میں انتقال کر گیا۔ اس سے ثابت ہوا کہ اورنگ زیب دنیا کا طلبگار ہی تھا حالانکہ میری نظر سے یہ بھی گزرا کہ اورنگ زیب بڑا پارسا' نیکو کار تھا۔ قرآن مجید کی کتابت کرکے اپنی گزر اوقات کرتا تھا اور خزانے سے کچھ نہ لیتا تھا لیکن یہ سب اچھے عمل اسے کچھ فائدہ نہ پہنچا سکے کیونکہ وہ تین مسلمان بھائیوں کے ساتھ کئی دوسرے لوگوں کو موت کے منہ میں دھکیل کر اور اپنے والد شاہجہان کو قید خانے میں ڈال کر اس کی زندگی میں تخت پر قابض ہوا تھا۔ اس طرح اللہ کے مرد کامل کے منہ سے نکلی ہوئی بات سچ ثابت ہوئی۔ وہ بزرگان دین کے مزارات پر جانا ہرگز پسند نہیں کرتا تھا' علاوہ انہیں ان کے ساتھ اس کا رویہ کوئی اچھا نہ تھا۔ اس کے برعکس دارالشکوہ اولیاء کرام سے محبت کرتا تھا بلکہ ان کے مزارات پر حاضری دیا کرتا تھا۔ اپنے ساتھ اعلیٰ پایہ کے لوگ رکھتا تھا۔ دارالشکوہ نے ایک کتاب سفینۃ الاولیاء جو کہ اولیاء کرام کے حالات پر مبنی لکھی ہے جس میں تحریر ہے کہ درحقیقت امامین کے بعد اولیاء کرام ہی آنحضرت کے ظاہری و باطنی علوم کے سرچشمہ تھے اور ان ہی کے ذریعے سے تمام دنیا میں دین اسلام پھیلا۔ جو لوگ ان سے محبت اور ان کے نقش قدم پر چلتے ہیں وہ نجات پا لیتے ہیں۔ دارالشکوہ کی اولیاء کرام سے محبت اس کی تحریر سے ظاہر ہوتی ہے کیونکہ ان کا کوئی دن اور رات اولیاء اللہ کے ذکر خیر سے خالی نہ ہوتا بلکہ اس سے زیادہ کسی اور کام میں زیادہ دلچسپی نہ لیتے۔ وہ ایک جگہ لکھتے ہیں کہ جس کو محبوب کا وصل اور دیدار حاصل نہیں ہوتا وہ اپنے محبوب کے ذکر میں ہی مشغول رہ کر اپنی آتش محبت کو تسکین دیتا ہے۔ شہزادہ دارالشکوہ نے اپنی کتاب سفینۃ الاولیاء میں جہاں دوسرے بزرگوں کے بارے میں لکھا ہے وہاں حضرت شاہ ابوالمعالی کی زندگی کے مختصر حالات بھی لکھے ہیں۔ حضرت شاہ ابوالمعالی کی کرامات کا ذکر کرتے ہوئے تحریر کیا ہے کہ ان کے استاد حضرت ملا شاہ نے فرمایا کہ میں اپنے استاد ملا نعمت اللہ صاحب کے ہمراہ جو عالم باعمل تھے آپ کی زیارت کو

گیا۔ ہم سب وہاں بیٹھے تھے کہ ایک شخص ان کیلئے ایک تسبیح لایا' میرے دل میں آیا کہ اگر آپ صاحب کرامات ہیں تو یہ تسبیح مجھے دے دیں' جب ہم رخصت ہونے لگے تو آپ نے مجھے بلایا اور وہ تسبیح مجھے عطا فرمائی اور فرمایا کہ موقع پاؤ تو اس تسبیح پر سو مرتبہ درود شریف پڑھ لیا کرو۔

دوسری کرامت بھی استاد نعمت اللہ سے نقل کی ہے کہ ایک دن میرے دل میں خیال آیا کہ میں حضرت غوث ثقلین سید عبدالقادر جیلانی کا دل سے مرید و معتقد ہوں۔ یعنی ان پر مکمل اعتقاد ہے' کیا آپ بھی میری خبر رکھتے ہیں؟ رات کو خواب میں دیکھا کہ میں کسی کام کیلئے پریشان اور عاجز ہوں' سر ننگا ہے۔ اس وقت حضرت غوث الثقلین تشریف لائے اور سفید پگڑی مجھے عنایت فرمائی اور فرمایا کہ ملا نعمت اللہ ہم ایسے موقعوں پر تمہارا دھیان رکھتے ہیں۔ جب صبح ہوئی تو حضرت شاہ ابوالمعالی نے مجھے بلایا اور ایک سفید پگڑی حوالے کر کے فرمایا کہ یہ لو وہ دستار ہے جو تمہیں غوث الثقلین نے عطا فرمائی۔

آپ کی ان دو کرامتوں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ کا دل ایک آئینہ تھا اور اہل مجلس کے دل کے خیال آپ کے آئینہ دل میں منعکس ہو جاتے تھے۔

ایک دفعہ حسب خواہش خاصی بارش نہ ہوئی اور لاہور شہر کا قرب و جوار والا علاقہ تو بالکل محروم رہا' حاکم شہر نے حیران و پریشان ہو کر حضرت شاہ ابوالمعالی سے بارش کیلئے دعا کرنے کی درخواست کی۔ انہوں نے فرمایا کہ اس شہر میں ایک پارسا عورت رہتی ہے جس کی دعائیں منظور ہوتی ہیں' اس کا گھر پانی کی گزرگاہ کے نشیب میں واقع ہے' ایک روز شدید بارش ہوئی اور بہت سا پانی اس کے گھر میں داخل ہو گیا جس کے باعث وہ پارسا عورت چند روز تک خاصی پریشان رہی۔ اس نے اس صورت حال سے تنگ آ کر دعا کی کہ شہر میں ذرا بارش نہ ہو لہذا اب چارہ یہ ہے کہ اس کے گھر کی طرف پانی کا راستہ روک دیا جائے اور بارش کی دعا کی التماس بھی تم اسی خاتون سے کرو۔ دیگر یہ بھی فرمایا کہ خیرات کے طور پر چند روپے کوچہ حاجی تاج کے مستحقین کیلئے بھی بھجوا دو اور کچھ عورت کو دے دو۔ وہ یہ رقم قبول نہ کرے گی۔ انہوں نے ویسا ہی کیا اور اس پارسا خاتون کو ویسا ہی پایا۔

انہوں نے اس سے بارش کی دعا کروائی اور اس کے گھر تک بارش کا پانی پہنچنے کا راستہ بند کر دیا۔ یعنی ایک اونچا بند باندھ دیا۔ آخر حسب آرزو بارش برسی جس کے نتیجے میں لوگوں کو اس پارسا خاتون کے مقام کا علم ہوگیا اور لوگوں میں بہت مقبول ہوئیں' وہ پریشان ہوکر حضرت شاہ ابوالمعالیؒ کی خدمت میں آئی اور شکوہ کرنے لگی کہ تو نے اپنے قرب میں میری موجودگی کو پسند نہ کیا اور مردوں میں مجھے رسوا کر دیا۔ پھر وہ اجازت لے کر چلی گئی اور شہر لاہور سے ایسی غائب ہوئی کہ ہرچند لوگوں نے اسے تلاش کیا لیکن اسے نہ ملنا تھا نہ ملی۔ مقامات داؤدی سے منقول ہے کہ ایک موقعہ پر لاہور میں بارش نہ ہوئی' اس زمانے میں لاہور کا حاکم افضل آغا تھا۔ اس نے تمام صالحین اور عالموں کو جمع کر کے عید گاہ بھیج دیا تاکہ وہاں وہ نماز استسقا اور دعا میں مشغول ہوں اور خود وہ حضرت شاہ ابوالمعالیؒ کی خدمت میں حاضر ہوکر عید گاہ میں تشریف لے جانے کیلئے التماس کی' انہوں نے فرمایا مجھے معاف رکھو' حاکم نے بے حد عاجزی سے عرض کیا کہ میں اس وقت اس در سے نہیں اٹھوں گا جب تک حضرت کو اس مجمع میں نہ لے جاؤں' ذرا سوچ کر فرمایا آج اور کل بارش نہ ہوئی' پرسوں بارش برسے گی۔ پہلی گھڑی میں بارش کا در کھلے گا اور دنیا سیراب ہوجائے گی۔ افضل آغا نے کہا کہ حکم ہو تو اسے یادداشت کے طور پر لکھ لیا جائے' فرمایا لکھ لو' اس نے پھر عرض کیا کہ آج اور کل کے توقف میں کیا حکمت ہے۔ ابھی کیوں نہ برسے؟ کہ تمام علماء اور فقراء روئے عجز زمین پر رکھے اور دست دعا آسمان کی طرف اٹھائے ہوئے ہیں۔ فرمایا یوں جانو کہ اس میں مصلحت یہ ہے کہ مکر و غرور کہیں باہر نکلے ہوئے یعنی دعا کیلئے عید گاہ میں پہنچے ہوئے عزیزوں کی راہ نہ مارے اور ان کا نفس فربہ و چیرہ غالب نہ ہوجائے کیونکہ کسی شک و شبہ اور احتمال کے بغیر ان حضرات میں سے ہر ایک بارش برسنے کی دعا کی قبولیت کو خود سے منسوب کرے گا یعنی کہ کوئی سمجھے گا کہ میری دعا قبول ہوئی ہے اور اس عمدہ بات پر مغرور ہوکر دائرہ مقصود سے باہر جا پڑیں گے۔

آپ کا ایک عقیدت مند کریم الدین بیان کرتا ہے۔ کہ وہ حسین گڑھ میں ان کی خدمت میں حاضر تھا۔ چاند کی چودھویں رات تھی۔ وہاں قریب ایک تالاب تھا۔ جس میں گل نیلوفر عجیب و غریب نظارہ پیش کر رہے تھے۔ حضرت شاہ ابو العالیؒ کشتی میں بیٹھے سیر کر رہے تھے۔ وہ ان کے ارشادات سے مستفید ہو رہا تھا۔ ساری رات بیداری میں حسین گڑھ میں ان کی خدمت میں گزار دی۔ صبح اجازت لے کر شیر گڑھ پہنچا۔ اور "ملا" حسین کے پاس آیا۔ ابھی وہ نیند کی حالت میں تھا۔ اس نے پوچھا کہاں سے آئے ہو۔ تو کریم الدین نے ملا حسین کو بتایا کہ اس نے تمام رات حضرت شاہ ابو العالیؒ کی خدمت میں گزاری۔ اور ان سے عجیب و غریب نکات سنے۔ انہوں نے غوث الثقلین کے گیارہ اشعار کا ترجمہ کیا۔ ملا حسین نے حیرانی کے عالم میں کہا۔ یہ تم کیا کہہ رہے ہو۔ حضرت تو ساری رات دریا کے کنارے پر تھے۔ ہم نے دیگر دوستوں کے ہمراہ تمام رات تو وہاں گزاری۔ جس کے بعد دونوں حیرت زدہ ہو کر حضرت شاہ ابو العالیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ وہاں آپ ایک شخص سے مخاطب ہو کر فرما رہے تھے۔ کہ شیخ عبد اللہ تستریؒ باکمال اولیاء اللہ میں سے تھے۔ ایک حاجی ان کے مرید کے پاس آیا۔ اور اس نے بتایا۔ کہ فلاں دن میدان عرفات میں تمام دن شیخ عبد اللہ تستری کی خدمت میں تھے تمام وقت اکٹھے گزارا۔ اس نے کہا تعجب کی بات یہ ہے کہ اس دن تو شیخ عبد اللہ تستری اپنے حجرہ سے باہر تشریف نہیں لائے۔ اس نے سارا دن ان کی خدمت میں گزارا۔ دونوں حیران ہو کر شیخ عبد اللہ تستریؒ کے پاس پہنچے۔ تو شیخ عبد اللہ تستری نے کہا۔ کیا تمہیں اللہ کی قدرت پر ایمان ہے دونوں نے یک زبان ہو کر کہا۔ ہاں تو شیخ عبد اللہ تستری نے کہا۔ خدا کی قدرت سے یہ بات کیا بعید ہے۔ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ پھر فرمایا۔ آفتاب ایک ہی ہے۔ سب لوگ اپنی اپنی جگہ دیکھتے ہیں۔ کہ وہ ان کے سروں پر چمک رہا ہے۔ اگر خدا ایک بندے کو اس طرح دکھائے تو کوئی تعجب کی بات نہیں۔

کریم الدین اور ملا حسین نے جب یہ سنا۔ تو وہ مطمئن ہو گئے۔ کیونکہ ان کے سوال کا ان کو جواب مل گیا اس سے مطلب یہ ہوا۔ اولیاء اللہ مانند آفتاب ہیں۔ ان کا فیض سب جگہ یکساں پہنچتا رہتا ہے۔

دنیا

آپ دنیا کے متعلق فرماتے ہیں۔ کہ دنیا ایک بے سروپا سرائے ہے۔ خدا نے ابلیس کو اس کا غلام بنا دیا ہے۔ اگر تو چاہتا ہے کہ شیطان تیرے کاموں میں دخل انداز نہ ہو تو وہ کام نہ کر جس میں اس کا دخل کار فرما ہو۔

پھر فرمایا کہ دنیا نے جس دل میں گھر بنالیا۔ سمجھئے اس کا خانہ خراب ہو گیا۔ خراب مکان میں آپ جانا پسند نہیں کرتے۔ تو یہ دل خانہ خراب کیلئے کیسے سزاوار ہو سکتا ہے۔ دل تو ایک ہے۔ اگر یہ دنیا کی محبت سے بھر گیا تو پھر آخرت کیلئے اس میں کہاں سے جگہ آئے گی۔

ذرہ درد خدا در دل ترا
بہتر از دو جہاں حاصل ترا

ترجمہ۔ تیرے دل میں خدا کا ذرہ بھر درد محبت دو جہانوں کے حاصل سے بہتر ہے۔

اگر دنیا و آخرت کی سب نعمتیں فقیر کے سامنے لا کر رکھ دی جائیں تو وہ ان کی طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھتا اگر نہ انہیں اپنے راستے کا پتھر بنا تا ہے۔ اور یہی کہتا ہے لا الٰہ الا اللہ جو کچھ کن کے کہنے سے وجود میں آیا ہے۔ وہ لا کہنے سے نفی ہو گیا۔ اور الا اللہ وجود میں آگیا۔ فقیر ذکر الٰہی میں اس طرح مشغول ہو جاتا ہے کہ نفس کی کوئی بات دخل انداز نہیں ہو سکتی۔

ایں سرائیست کہ البتہ خلل خواہد یافت
خرم آں قوم کہ در بند سرای دگرانند

ترجمہ۔ یہ دنیا وہ سرائے ہے کہ جس میں خلل ضرور آئے گا۔ مبارک ہیں۔ وہ لوگ جو آخری سرائے کی فکر میں ہیں۔

یعنی یہ دنیا ناپائیدار ہے کوئی چیز بھی یہاں ہمیشہ رہنے والی نہیں ہے۔ ایک دن ضرور سب فنا ہونے والی ہے۔ بس وہی لوگ اچھے ہیں۔ جو فانی دنیا کی پرواہ نہیں کرتے اور آخرت کی دنیا کا سوچتے ہیں کیونکہ اصل زندگی موت کے بعد شروع ہو گی۔

جس نے اپنا رخ دنیا کی طرف کیا۔ اسے حرص کی آگ نے راکھ بنا دیا۔ اور جو شخص آخرت کا خیال رکھتا ہے۔ وہ اس کی کیمیا سے سونا بن جاتا ہے۔

قبروں پر جانا

آپ نے حضرت غوث الثقلین کے حوالے سے فرمایا۔ کہ جب قبروں کی زیارت کو جاؤ۔ تو کوئی غلط کام یا بات مت کرو۔ صرف فاتحہ پڑھو۔ جس کا طریقہ یوں بیان فرمایا ہے۔ کہ پہلے سورۃ فاتحہ بعد ازاں سورۃ اخلاص گیارہ مرتبہ پھر قرآن مجید سے جو کچھ یاد ہو پڑھیں اگر سورۃ یسین یاد ہو تو پڑھیں تو زیادہ بہتر ہے اور اس کا ثواب صاحب قبر کو بخش دیں۔

عقل

آپ نے فرمایا۔ جو شخص اپنی عقل سے دھوکا کھاتا ہے۔ وہ نفسانی اور شیطانی وسوسوں کی وجہ سے شریعت کی اطاعت سے روگرداں ہو جاتا ہے۔ جو اپنی ناقص عقل پر مغرور ہوتا ہے۔ وہ سعادت سے محروم ہوتا ہے۔ عقل خدائی کاموں میں عاجز ہے۔ عقل کا دارومدار قیاس پر ہے۔ اور خدا قیاس سے سمجھ میں نہیں آتا۔ خدا کی مشیت قانون پر ہے اور نہ قیاس۔ مخلوق کی عقل عاجز ہے۔ عقل اس لئے پیدا کی گئی ہے تاکہ ہم جان سکیں۔ کہ خدا اور انبیاء کی اطاعت و پیروی کیسے کرنی چاہیے۔ خدا تعالیٰ نے بندوں میں دو چیزیں پیدا کیں ہیں یعنی امرو نہی اگر ان دونوں کا انحصار عقل پر ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہے۔ فاتقو یا اولی الالباب۔ اے عقل والو اللہ سے ڈرو۔

اگر کوئی شخص پریشان حال ہو۔ وہ اپنی جائز حاجت کیلئے صلوٰۃ الحاجات پڑھے۔ طریقہ اس طرح بتایا ہے۔ اس ترتیب سے وضو کرے۔ اللہ کیلئے دو رکعت نماز یوں ادا کرے۔ پہلی رکعت میں فاتحہ کے بعد آیت الکرسی ایک مرتبہ اور دوسری رکعت میں فاتحہ کے بعد امن الرسول سے لے کر آخر تک پڑھے۔ سلام کے بعد یہ دعا پڑھے۔

اللھم یامونسِ کُلِ وَحید۔ یاصَاحبَ کُلِ فریدیاقریباغیر بعیدو یاشاھِداغیر غَائبو یا غَالبَ غیر مَغلوبَ اَسْاَلُکَ باسْمکَ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم الذی لاتاخذہٗ سِنۃٌ ولا نومٌ

اَسْئَلُکَ بِاسْمِکَ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ الْحَیِّ الْقَیُّوْمِ الَّذِیْ عَنَتْ لَہُ الْوُجُوْہُ وَخَشَعَتِ الْاَصْوَاتُ وَجِلَتْ لَہُ الْقُلُوْبُ اَنْ تُصَلِّیَ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ اَنْ تَجْعَلَ لِّیْ مِنْ اَمْرِیْ فَرَجًا وَّمَخْرَجًا وَّتَقْضِیْ حَاجَتِیْ۔

ترجمہ: اے اللہ تو ہر ایک کو مونس ہے۔ تو ہر تنہا کا ساتھی ہے۔ تو قریب ہے۔ دور نہیں ہے۔ تو حاضر ہے۔ غائب نہیں۔ تو غالب ہے مغلوب نہیں۔ میں تیرا نام لے کر تجھ سے استدعا کرتا ہوں۔ اللہ وہ ہے جو رحمٰن اور رحیم کرنے والا ہے۔ جسے اونگھ نہیں آتی اور نہ نیند۔ اے خدا تیرے نام کے ساتھ تجھ سے دعا مانگتا ہوں (وہ اللہ جو رحمٰن ورحیم ہے۔ حیّ وقیوم ہے۔ جس کے سامنے چہرے ڈھیلے پڑتے ہیں۔ آوازیں کمزور ہو جاتی ہیں۔ اور دل سہم جاتے ہیں محمدؐ اور آل محمدؐ پر برکت نازل کر۔ میرے کام میں کشادگی پیدا کر مصیبت سے رہائی عطا کر اور میری حاجت پوری کر اس کے بعد ایک ہزار مرتبہ یا نور النور یا مدبر الامور بلغ عنی روح محمد تحیۃ وسلاما پڑھے خدائے پاک و برتر پڑھنے والے کی حاجت پوری کرے گا۔

وظیفہ

آپ نے حضرت غوث الثقلین کے ارشاد کا حوالہ دیتے ہوئے فرمایا۔ جو شخص اس وظیفے کو جمعہ کے روز پڑھنا شروع کرے۔ ہر روز ہزار مرتبہ پڑھے۔ دوسرے جمعہ تک خداوند تعالیٰ اس کی حاجت پوری کرتے ہیں۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ خَالِصًا مُّخْلِصًا۔ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ صَادِقًا مُّصَدِّقًا لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ حَقًّا حَقًّا۔ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ اَبَرًا اَبَرًا۔ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ یَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ۔

حضرت شاہ ابوالمعالیؒ کی لاہور میں آمد اور وفات

حضرت شاہ ابوالمعالیؒ اپنے پیر روشن ضمیر حضرت داؤد بندگی قادری الکرمانی
وفات کے بعد ۲۹ سال تک شیر گڑھ میں مسند داؤدیہ قادریہ پر قائم مقام اور سجادہ نشی
رہے۔ اس عرصہ میں اپنے اس سلسلہ کو نہایت ہی رونق بخشی اور آفتاب داؤدیہ کی ض
سے ہزاروں لوگوں کے تاریک دلوں کو منور فرمایا اور ساتھ ساتھ اپنے مرشد کے فرزند دل
حضرت عبداللہ نورنگ نوری کی پرورش پر پوری پوری توجہ رکھی اور سرپرستی فرمائی۔ آ
کار اپنے پیر کے روحانی ارشاد کے مطابق لوازم مشیت جناب عبداللہ موصوف کے
کرکے جلال الدین اکبر بادشاہ کے عہد میں ۱۰۱۱ھ میں ۵۱ سال کی عمر میں آپ نے شہر لاہ
کی طرف رخ کیا۔ راستہ میں چند مقام پر کچھ عرصہ توقف فرمایا اور کئی جگہوں پر آپ چلہ ک
میں بھی مشغول رہے۔ جہاں جہاں قیام فرمایا وہاں کنواں، تالاب وغیرہ تعمیر کرائے۔ با
بھی لگوائے، پھر موجودہ مقام نزد قلعہ گجر سنگھ آکر قیام کیا۔ آتے ہی ایک مسجد تعمیر کروائ
اور ہدایت خلق خدا میں مصروف ہوگئے۔ آخر یہ آفتاب معرفت ۶۲ سال ۳ ماہ ۲ رو
تک اپنی نورانی شعاعوں سے ایک عالم کو روشن کرکے جہانگیر بادشاہ کے ابتدائی دور حکومت
میں ۱۶ ربیع الاول ۱۰۲۴ھ کو ظاہر بینوں کی نظروں سے ہمیشہ کیلئے پوشیدہ ہوگیا۔



عرس مبارک

آپ کا عرس ہر سال ۱۵ ربیع الاول سے ۱۷ ربیع الاول تک منعقد ہوتا ہے۔ قیام پاکستان سے پہلے عرس کی تقریب پر یہاں بہت بڑا میلہ لگتا تھا۔ مقبرے کے ارد گرد کافی کھلی جگہ اور میدان تھے جہاں بازار لگتے تھے۔ بازار کے دونوں طرف مٹھائی والوں کی دکانیں، کھلونے بیچنے والوں اور دیگر اشیاء فروخت کرنے والوں کی دکانیں ہوتی تھیں۔ بچوں کیلئے جھولے ہوتے۔ خوب رونق ہوتی۔ لیکن قیام پاکستان کے بعد یہ رونق اور چہل پہل ختم ہوگئی کیونکہ کھلی جگہیں اور میدان اب سب کی سب زیر آبادی آگئے ہیں۔ بڑی عمارتیں تعمیر ہوچکی ہیں بلکہ ملحقہ قبرستان بھی کسی حد تک ختم ہوگیا ہے۔ اہل غرض نے وسیع قبرستان کو مٹی میں ملا کر مٹی بیچ کھائی۔ دوسرے انتظامی فقدان بھی ہے۔ عرس کے موقع پر جاہل لوگ مزار اور مسجد کے تقدس کا خیال نہیں کرتے۔ تاہم عرس کی رسومات بدستور ہوتی ہیں۔ ۱۵ ربیع الاول کو چراغ، ۱۶ ربیع الاول کو چادریں چڑھتی ہیں۔ شہر کے مختلف حصوں سے جلوس آتے ہیں۔ جن کے آگے آگے ڈھول باجے بجتے ہیں۔ سہرے اٹھائے ٹولیاں نعت خوانی کرتی ہوئی مزار پر حاضری دینے آتی ہیں۔ تمام رات علماء کرام کی تقریریں، نعت خوانی اور ختم غوثیہ ہوتا ہے اور لوگوں میں تبرک تقسیم کیا جاتا ہے۔ ۱۷ ربیع الاول کو محفل سماع جاری رہتی ہے۔ ملک کے نامور قوالوں کی مختلف ٹولیاں معرفت کے کلام سے سامعین پر وجد کی کیفیت حال طاری کرتی ہیں اور حال و قال کا یہ سلسلہ رات ۲ بجے تک قائم رہتا ہے۔ ان تین دنوں میں ہزاروں عقیدتمند دور دور سے عرس میں شریک ہونے آتے ہیں اور روضۂ منورہ کی زیارت سے مشرف باد ہوتے ہیں۔

روضہ منورہ

حضرت شاہ ابوالمعالی صاحب کا روضہ منورہ لاہور ہوٹل کے قریب واقع ہے جو زمین کی سطح سے قدرے اونچی جگہ ہے۔ آپ نے مسجد کی تعمیر مکمل کرنے کے بعد مقبرے کی تعمیر مشرقی جانب خود شروع کی تھی۔ جسے آپ کی وفات کے بعد ان کے بڑے بیٹے سید محمد باقر نے مکمل کروایا۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ کے عہد میں اس کے سپہ سالار میاں خوشحال خاں توپ والا نے دوبارہ مرمت اور توسیع کروائی۔ چھوٹی اینٹ اور گارا سے تعمیر کیا گیا۔ ہشت پہلو عمارت ہے' بڑے خوبصورت انداز میں اوپر نیچے محرابیں بنائی گئی ہیں۔ تقریباً چالیس فٹ کی بلندی پر سے گنبد شروع ہوتا ہے جو تقریباً تیس فٹ مزید بلند ہے۔ گنبد پر پہنچنے کیلئے ایک محراب میں سے راستہ بذریعہ سیڑھی بنایا ہے تاکہ اوپر کی صفائی یا مرمت کیلئے اوپر پہنچا جائے۔ آپ کے روضہ منورہ کی تمام عمارت پر بیل بوٹے بھی بنائے گئے تھے لیکن وقت کے گزرنے کے ساتھ ساتھ مٹ گئے۔ بعض اوقات جب سفیدی کرتے ہوئے دیواروں کو کھرچا جاتا ہے تو بیل بوٹوں کے نشان نظر آنے لگتے ہیں۔ گنبد کے اندر ایک چبوترے پر حضرت شاہ ابوالمعالی اور ان کے صاحبزادوں کے مزار شریف ہیں۔ جن کے گرداگرد لکڑی کی جالی مع چھت نور ایمان والے زین فروش نے بنوائی تھی۔ اوپر کی چھت خراب خستہ ہوجانے کی وجہ سے تبدیل کر دی گئی ہے۔ اب چھت کو مخروطی شکل میں بنایا گیا ہے تاکہ اوپر کوئی چیز نہ اٹک سکے۔

شہر لاہور میں کئی تاریخی عمارتیں ہیں۔ ان میں سے ایک روضہ مبارک حضرت شاہ ابوالمعالی کی عمارت بھی ہے جو کہ مغلیہ دور حکومت کی فن صنعت گری کا ایک اعلیٰ نمونہ ہے۔ بلند گنبد بڑے عالی شان اور خوبصورت طریقے سے بنایا گیا ہے۔ اب مزار شریف اور ملحقہ مسجد پر محکمہ اوقاف کا قبضہ ہے لیکن ان کی تعمیر نو کی طرف کم توجہ ہے' تاہم محکمہ آثار قدیمہ نے روضہ مبارک کی مرمت کا کام اپنے ذمہ لے لیا ہے۔ تقریباً آج سے دو سال سے زیادہ عرصہ گزر چکا ہے کچھ نہ کچھ مرمت کا کام ہوتا رہتا ہے۔ اولاد حضرت شاہ ابوالمعالی تعمیر میں حصہ لینے سے قاصر ہے کیونکہ وہ زمانہ تو گیا جب بادشاہ اور امراء

بزرگان دین کے مزاروں کے خرچ پورا کرنے کیلئے زمین دیتے تھے۔ جس کی آمدن سے تمام اخراجات پورے ہوتے تھے۔ لیکن اب معاملہ الٹ ہے' جو کچھ ہے وہ اپنے قبضہ کرنے کی فکر میں ہے۔

آپ کا روضہ مبارک زیارت گاہ عوام و خاص ہے۔ سینکڑوں لوگ روزانہ حاضری دے کر سلسلہ قادریہ کے اس عظیم مرد خدا کو خراج تحسین پیش کرتے ہیں۔

مزار شریف پر کبوتر

حضرت شاہ ابوالمعالی کے تیسرے بیٹے سید شاہ محمد درویش جو تارک الدنیا تھے انہوں نے کبوتر پال رکھے تھے۔ ان کی وفات کے بعد حضرت شاہ ابوالمعالی نے ان کے کبوتروں کی دیکھ بھال خود کرنا شروع کر دی۔ اور ان کی وفات کے بعد کبوتر ان کے مزار پر رہنے لگے۔ کبوتروں کی تعداد ہزاروں تک بڑھ گئی۔ لوگ اپنی فصلوں سے حصہ نکال کر ان کبوتروں کو چوگ ڈالتے تھے۔ اب بھی لوگ اپنی منت پوری ہونے پر دربار شریف پر کبوتروں کے جوڑے چھوڑتے ہیں۔ بعض اوقات خوراک کی کمی کی وجہ سے کبوتر دور دور نکل جاتے ہیں' دانہ وغیرہ چگنے کے بعد پھر آجاتے ہیں۔ پہلے تو گنبد کے اندر بھی لاتعداد کبوتر رہتے تھے اور وہاں بھی انڈے بچے دیتے تھے' ان کی بیٹ سے مزار کی چھت اور محرابوں میں ڈھیر لگ جاتے تھے کوئی ایسی جگہ نہ ہوتی جہاں کبوتر' بچے' انڈے اور ان کی بیٹ نہ ہوتی۔ گنبد کے اندر داخل ہوتے ہی کبوتروں کی آوازیں کان پر پڑتی تھیں' جو ایک عجیب سماں پیدا کر دیتیں۔ روزانہ صفائی کے باوجود بھی جب چھت اور محرابوں کو صاف کیا جاتا تو ٹرالیوں کے حساب سے بیٹ نکلتی لیکن جب سے مزار شریف محکمہ اوقاف کی تحویل میں آیا ہے کبوتروں کو اندر جانے سے روکنے کیلئے جال لگا دیا گیا اور باہر جگہ ناکافی ہونے کی وجہ سے کبوتروں نے شہر لاہور کی گلیوں اور آبادیوں میں جہاں جہاں جگہ ملی رہنا شروع کر دیا ہے۔ صبح کے وقت سورج طلوع ہونے سے پہلے سویرے سویرے کبوتروں کے جھنڈ مزار پر آنا شروع ہو جاتے ہیں' یہ دیکھنے والا منظر ہوتا ہے اور شام کو پھر اپنے گھونسلوں کا رخ کرتے ہیں۔

ایک گزارش

جہاں تک مجھ سے ہو سکا میں نے تمام اہم واقعات کو تذکرہ حضرت شاہ ابوالمعالیؒ
میں بہتر طریقے سے شامل کرنے کی کوشش کی ہے کہ عوام و خواص زیادہ سے زیادہ
کے بارے میں جان جائیں۔ پھر بھی اگر آپ کسی قسم کی کمی بیشی محسوس کریں تو ا
لطف و کرم اسے نظر انداز کر دیں البتہ اپنے قیمتی مشوروں سے ضرور نوازیں۔

جناب سید امداد علی شاہ صاحب و سید احسن علی شاہ صاحب کا تہ دل سے مشکور و ممنون ہوں۔ جنہو
باباجی سید حسین شاہ صاحب مرحوم و مغفور کے صندوق میں سے تصاویر حضرت شاہ ابوالمعالیؒ و دیگر چیز
ان کی دو ٹوپیاں سرہانے کا غلاف دو عدد مسواک استعمال شدہ۔ لکڑی کے برتن۔ کپڑے پر تحریر شجرہ و قلمی
مجید دیکھائیں۔ عزیزم سید مصباح الحسنین نے قلمی تصاویر کتاب ھذا کیلئے مہیا کیں۔ علاوہ ازیں میں اپنے
احباب و عزیزوں دوستوں بالخصوص حاجی عبدالحکیم صاحب اعوان ایڈووکیٹ ہائی کورٹ کا شکر گزار ہوں
گاہے بگاہے اس تذکرہ کی اشاعت کیلئے اچھی تجویزیں دیتے رہے۔ تاکہ یہ کتاب عقیدت مندوں
قارئین کیلئے مفید ثابت ہو۔

سید مصباح الحسنین و سید فضل عباس کرمانی و سید ضیاء علی شاہ کا بھی شکر گزار ہوں۔

جنہوں نے قلمی تصاویریں وغیرہ مہیا کیں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ میرے تمام دوست و عزیز جو اولیاء کرام سے محب
رکھتے ہیں ان کو دونوں جہانوں کی نعمتوں سے مالا مال فرمائے اور میری اس سعی سعید
شرف مقبولیت بخشے۔ علاوہ ازیں آئندہ بھی مجھے مزید خدمت کی توفیق عطا فرمائے۔

آمین

سید ولایت علی ش

